فقہ اسلامی میں
تعبیر و تشریح کے اصول

ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی

شریعہ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

Marfat.com

- ابو زيد دبوسی" (٤٣٠هـ) - تقويم الادلة، تأسيس النظر
- فخر الاسلام بزدوی" (٤٨٣هـ) - كنز الوصول الى معرفة الاصول
- شمس الائمة سرخسی" (- اصول سرخسی

شافعی مذاہب :

- ابو اسحاق شیرازی - اللمع، التبصرة فی اصول الفقہ
- امام الحرمین الجوینی - البرہان فی اصول الفقہ
- امام غزالی - المستصفی فی اصول الفقہ

مذاہب ظاہریہ

- ابن حزم - الاحکام فی اصول الاحکام

معتزلی

- ابو الحسین البصری - المعتمد -

Marfat.com

فقہ اسلامی میں

تعبیر و تشریح کے اصول

(اصول فقہ میں دلالات / متقابلات کی بحث)

ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی

شریعہ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد

Marfat.com

جملہ حقوق طباعت محفوظ ہیں

نام کتاب: فقہ اسلامی میں تعبیر و تشریح کے اصول

تالیف: ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی

طبع اول: ستمبر ۲۰۰۱ء

طبع دوم: جون ۲۰۱۴ء

تعداد: ۱۰۰۰

اہتمام اشاعت: ڈاکٹر عبدالحی ابڑو
چیئرمین شعبہ تحقیق و مطبوعات

ISBN 969-8263-11-1

SHARI'AH ACADEMY
International Islamic University, Faisal Masjid Campus
Islamabad. Tel: +92 051 9261761 Ext. 289
Email: sapublication@gmail.com

کمپوزنگ: محمد آصف قریشی   مطبع: ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

Marfat.com

فہرست مضامین

ابتدائیہ (طبع دوم)	۵
پیش لفظ (طبع اول)	۷
تمہید	۱۱
فصل اول	
وضع (بنانے) کرنے کے اعتبار سے لفظ کی اقسام	۱۵
۱ عام	۱۵
۲ خاص	۲۸
۳ مطلق	۳۰
۴ مقید	۳۳
۵ امر	۳۶
۶ نہی	۳۷
۷ مؤول	۳۹
فصل دوم	
معنیٰ مرادی کے لحاظ سے لفظ کی اقسام	۴۱
۱ حقیقت	۴۱
۲ مجاز	۴۴
۳ صریح	۴۷
۴ کنایہ	۴۸

Marfat.com

تیسری فصل

معنیٰ پر دلالت کے اعتبار سے لفظ کی اقسام	۵۱
واضح الدلالۃ	۵۱
ظاہر	۵۱
نص	۵۳
مفسر	۵۵
محکم	۵۷
غیر واضح الدلالۃ	۶۰
ا۔ خفی	۶۰
۲۔ مشکل	۶۳
۳۔ مجمل	۶۵
۴۔ متشابہ	۶۸

چوتھی فصل

معانی پر دلالت کی کیفیت کے لحاظ سے لفظ کی اقسام	۶۹
عبارۃ النص	۶۹
اشارۃ النص	۷۰
دلالۃ النص	۷۵
اقتضاء النص	۷۸

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ (طبع دوم)

گزشتہ کچھ دہائیوں سے عالمگیریت (globalization) اور تیز رفتار سائنسی ترقی کی بدولت رہن سہن کے طور طریقوں اور کاروبار حیات کے متعلق سوچ و فکر کے زاویے بڑی حد تک بدل گئے ہیں۔ معاملات اور معیشت و تجارت کی روز بروز ایسی صورتیں سامنے آرہی ہیں جن کے احکام کلاسیکی فقہ میں موجود نہیں۔ اس تناظر میں مروج جدید ایجادات کی فقہی حیثیت کے تعین، اس حوالے سے قانون سازی اور اسلامی فلسفہ حیات کی ابدیت واضح کرنے کے لیے، فقہ اسلامی کے تاسیسی پس منظر، تعبیر و تشریح کے اصولوں اور قواعد فقہیہ کا باریک بینی سے مطالعہ ناگزیر ہے۔

اکیڈمی نے اس ضرورت کا احساس کرتے ہوئے اسلامی قانون کے بنیادی نوعیت کے اہم موضوعات پر اردو اور انگریزی زبانوں میں مستقل کتب اور تعارفی رسائل شائع کرنے کا آغاز کیا۔ اس سلسلے کے متعدد رسائل اور کتب شائع ہو چکی ہیں۔ زیر نظر تحریر بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے جو دوسری مرتبہ زیور طبع سے آراستہ ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس کتاب میں مؤلف نے اصول فقہ کی ایک اہم بحث دلالات (اور متقابلات) کو موضوع بنایا ہے، اور اس مشکل بحث کو آسان اور عام فہم انداز میں پیش کیا ہے، جسے ایک مبتدی اور عام قاری بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے۔

کتاب کی دلکش پیشکش اور حسن اشاعت کا سہرا شعبۂ تحقیق کے رفقا حافظ احمد وقاص، حافظ اشفاق احمد اور محمد آصف قریشی کے سر ہے۔ اللہ تعالیٰ شرف قبولیت بخشے!

شعبۂ تحقیق و مطبوعات

Marfat.com

Marfat.com

پیش لفظ

(طبع اول)

اصول فقہ پر تصنیف و تالیف کے کام کا آغاز تو امام ابو حنیفہؒ کے دور سے ہو گیا تھا لیکن ہم تک پہنچنے والی سب سے پہلی کتاب امام شافعیؒ (۱۵۰ھ - ۲۰۴ھ) کی الرسالۃ ہے جو اس فن پر مستقل اور سب سے قدیم کتاب ہے۔ دوسری صدی ہجری سے لے کر اب تک ہزاروں کتابیں اصول فقہ پر مدون و مرتب ہوئی ہیں۔ ان میں بعض بہت ضخیم ہیں جو تقریباً ہزار ہزار صفحات پر مشتمل ہیں، کچھ متوسط بھی ہیں اور بہت مختصر بھی۔

اصولِ فقہ پر عربی زبان میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں مصنفین نے اصولِ قانون پر بہت دقیق اور مفصل بحث کی ہے اور اس فن کو نہ صرف یہ کہ ایک مستقل فن کے طور پر پیش کیا، بلکہ اس علم کو تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں اس وقت عروج پر پہنچا دیا جب دیگر اقوام اور تہذیبوں کے پاس اس قسم کا علم اصول قانون موجود نہیں تھا۔

ہمارا یہ قدیم ورثہ آج بھی بہت اہم ہے اور اس کی علمی افادیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے اس قدیم ورثہ میں بہت دقیق علمی مباحث ہیں اور ان کا اسلوب فلسفیانہ ہے، اس لیے ان کتابوں کو سمجھنے میں ہمارے ان طلبہ کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو قدیم فلسفہ، اس کے بنیادی مباحث اور اصطلاحات سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں۔

ہمارے معاصر فقہا نے اصولِ فقہ کے مباحث کو آسان زبان میں منتقل کیا ہے۔ انہوں نے اپنی تصانیف میں جدید دور کی ضروریات کو بھی پیش نظر رکھا ہے اور بہت علمی انداز میں اصولی مباحث پر گفتگو کی ہے، لیکن یہ سارا اثاثہ عربی زبان میں ہے۔

Marfat.com

اردو زبان میں فقہی مسائل و احکام اور فتاوی پر تو اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہے اور یہ ایسا سرمایہ ہے جو اردو دان طبقے کی ضروریات کو بھی بہت حد تک پورا کرتا ہے، لیکن اصولِ فقہ پر اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اردو دان طبقہ کی علمی ضرورت پوری کرنے کے لیے کافی نہیں۔

اصولِ فقہ بطور مضمون دینی مدارس میں تو طویل عرصہ سے پڑھایا جارہا ہے۔ عام طور پر دینی مدارس کے طلبہ کے لیے بھی یہ مباحث مشکل ہوتے ہیں، پھر ہماری قدیم درسی کتابوں میں ان اصولوں کی وضاحت ایک آدھ مثال سے ہی کی جاتی ہے، ان میں بھی بعض امثلہ دورِ حاضر کے معاشرے سے متعلق نہیں رہیں۔ اس لیے اس رسالہ میں ایسی نئی مثالوں کا اضافہ کیا گیا ہے جو ان اصولوں کو سمجھنے میں مفید ثابت ہوں گی۔

ہمارے ملک کی تقریباً تمام جامعات میں ایم اے علوم اسلامیہ کے طلبہ کو اصولِ فقہ ایک مضمون کے طور پر پڑھنا پڑتا ہے۔ ان مباحث کو سمجھنے اور ان کی تطبیق کرنے میں انہیں بھی بہت مشکل پیش آتی ہے۔ اسی طرح ملک کا وہ قانون دان طبقہ جو فقہ اسلامی میں دلچسپی رکھتا ہے اور اس کے مسائل و قواعد کو سمجھنا چاہتا ہے انہیں بھی اصول فقہ پر کوئی ایسا رسالہ نہیں ملتا جو ان کی علمی ضرورت کو پورا کرسکے۔

ان تینوں طبقات کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کتابچہ "فقہ اسلامی میں تعبیر و تشریح کے اصول" مرتب کیا گیا ہے۔ اس میں کوشش کی گئی ہے کہ تعبیر و تشریح کے تمام اصول یکجا کردیے جائیں اور ان کی وضاحت قرآن کریم اور احادیث سے زیادہ مثالیں دے کر کردی جائے، تاکہ اہل علم خاص طور پر فقہِ اسلامی کے طلبہ فقہی استدلال و استنباط کو بہتر طریقہ سے سمجھ سکیں۔

ان اصولوں کے مطالعہ سے ایک طرف قرآن و سنت کے اسالیبِ بیان کو سمجھنے میں مدد ملے گی، دوسری طرف فقہ اور قانون کے طلبہ میں فقہی و قانونی مسائل کو بہتر طور پر سمجھنے کی صلاحیت بھی پیدا ہوگی۔

Marfat.com

اس رسالہ کی تدوین میں مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے:

- كنز الوصول إلى معرفة الأصول/ فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی (م۴۸۲ھ)
- أصول السرخسي / شمس الائمہ ابو بکر محمد بن سہل السرخسی (م۴۹۰ھ)
- أصول الشاشي /اصول فقہ حنفی کی درسی کتاب ہے
- الوجيز في أصول الفقه /ڈاکٹر عبدالکریم زیدان
- أصول الفقه الإسلامي / ڈاکٹر وھبہ الزحیلی
- التشريع والفقه في الإسلام /مناع القطان

میں شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد میں اپنے رفقائے کار محترم سید عبدالرحمان بخاری صاحب اور عرفان خالد ڈھلوں صاحب کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ ان دونوں حضرات نے اس رسالہ کے مسودے کو غور سے پڑھا اور اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔ نیز میں ان تمام حضرات کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس مسودہ کی ٹائپنگ، پروف ریڈنگ وغیرہ میں مدد کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دیں اور ان کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس رسالے کو دین کے فہم و بصیرت کا ذریعہ بنا دیں اور ہمیں شریعت اسلامی پر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی

(ڈائریکٹر جنرل شریعہ اکیڈمی)

۲۶ جون ۲۰۰۰ء

Marfat.com

Marfat.com

تمہید

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على أفضل الأنبياء والمرسلين.

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قرآن حکیم فصاحت وبلاغت کا وہ اعلیٰ ترین نمونہ ہے جو الفاظ و معانی دونوں اعتبار سے معجزہ ہے۔ کتاب اللہ کے صحیح فہم اور اس کے عطا کردہ احکام و ہدایات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ قرآن کریم کے اسلوب بیان، اس کے نظم اور الفاظ کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کی کوشش کی جائے؛ اسی طرح کلام رسول علیہ الصلاۃ والسلام کی فصاحت وبلاغت بھی مسلم ہے۔ آپ کی بعثت جس دور میں ہوئی وہ دور عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کے عروج کا دور تھا۔ اس زمانہ میں عام لوگوں کی زبان کا معیار بھی بہت بلند تھا، شعرا اور خطبا کی تو بات ہی کیا تھی، وہ تو غیر عرب کو گونگا قرار دیتے تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اظہار و بیان کی وہ اعلیٰ صلاحیت عطا فرمائی کہ آپ کے کلام کو سن کر عرب شعرا بھی انگشت بدنداں رہ جاتے تھے۔

کلام الٰہی اور سنت رسول فقہ اسلامی کا حقیقی ماخذ ہیں۔ ان کو سمجھنے کے لیے تعبیر و تشریح کے ان اصولوں کا علم یقیناً مفید ثابت ہوگا جن کی تفصیل و وضاحت فقہا اور اہل علم تیسری اور چوتھی صدی ہجری سے کرتے چلے آرہے ہیں۔

یہ طے کرنا شاید مشکل کام ہوگا کہ دلالات کے موضوع پر علمی انداز میں سب سے پہلے کس نے بحث کی اور کس نے اس کو اصول فقہ کا موضوع قرار دیا۔ اس بارے میں موجودہ علمی ذخیرے کی بنیاد پر تو امام محمد بن ادریس الشافعیؒ (۱۵۰ھ - ۲۰۴ھ) ہی کو سباق الغایات کہا جاسکتا ہے۔ انہوں نے دلالات کے بعض اصولوں پر الرسالۃ میں بحث کی ہے۔

Marfat.com

امام ابو حنیفہؒ کی تالیفات میں ایک تالیف كتاب الرأي امام صاحب کی طرف منسوب ہے۔ ممکن ہے امام ابو حنیفہؒ نے كتاب الرأي میں دلالات کی بعض اقسام پر گفتگو کی ہو، پھر ان کے شاگردوں میں سے امام ابو یوسفؒ اور امام محمد شیبانیؒ نے كتاب الأصول میں ان اصولوں پر کچھ وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی ہو، لیکن اصول فقہ پر ان ائمہ کی کتابوں کا صرف تذکرہ ہی ملتا ہے۔ اب تک جو مخطوطات دریافت ہوئے ہیں ان کی فہرست میں یہ مسودات شامل نہیں۔ مطبوعہ شکل میں ہمارے پاس جو کچھ اسلاف کا علمی سرمایہ موجود ہے اس میں امام شافعیؒ کا الرسالۃ ہی اصول فقہ پر سب سے پہلی کتاب ہے۔

امام شافعیؒ کے بعد ابو بکر احمد بن علی الجصاص الرازیؒ (م ۳۷۰ھ) نے دلالات کی بحث کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور مثالیں دے کر بہت سے اصولوں کی وضاحت کی ہے۔ پھر اس فن کو تکمیل تک پہنچانے میں قاضی عبد الجبارؒ (م ۴۱۵ھ)، ان کے شاگرد ابو الحسین البصریؒ (م ۴۳۶ھ)، فخر الاسلام علی بن محمد البزدویؒ (م ۴۸۳ھ)، شمس الائمہ السرخسیؒ (م ۴۹۰ھ)، امام غزالیؒ (م ۵۰۵ھ) اور سیف الدین الآمدیؒ (م ۶۳۱ھ) بہت نمایاں رہے ہیں۔

ہمارے معاصر فقہا میں عبد الکریم زیدان نے الوجیز في أصول الفقه میں تشریح و تعبیر کے اصولوں کا احاطہ کیا ہے اور ان پر وضاحت کے ساتھ گفتگو کی ہے۔

دلالات کی بحث کو پی ایچ ڈی کے مقالہ کا موضوع بنا کر ڈاکٹر عبد اللہ یوسف عزامؒ نے اچھا کام کیا ہے۔ انہوں نے اس موضوع پر کلیۃ الشریعۃ والقانون، جامعہ ازہر سے ڈاکٹریٹ کیا ہے، ان کا مقالہ دلالة الكتاب والسنة على الأحكام من حيث البيان والإجمال أو الظهور والخفاء کے عنوان سے قاہرہ سے شائع ہو چکا ہے، عربی زبان میں اہل علم کے

Marfat.com

لیے اس موضوع پر فقہا کے چاروں مکاتب اور فقہاے ظاہریہ کی آرا پر مشتمل یہ ایک جامع مقالہ ہے۔

اس رسالہ میں فقہا کی ان کاوشوں کو یکجا کر کے اردو زبان میں پیش کیا جا رہا ہے اور حسب ضرورت ان کی تشریح اور مثالوں کے ساتھ ان کی وضاحت کر دی گئی ہے، تا کہ فقہ اسلامی کا مطالعہ کرنے اور اس فن میں دلچسپی رکھنے والے حضرات فقہا کے اسالیب، استدلال واستنباط اور ان کے پیش کردہ دلائل کو بہتر طریقے پر سمجھ سکیں۔

Marfat.com

Marfat.com

فصل اول

وضع کرنے (بنانے) کے اعتبار سے لفظ کی اقسام

عام- خاص- مطلق- مقید

لفظ کو کون سا معنیٰ بیان کرنے کے لیے بطور خاص وضع کیا گیا ہے؟ اس اعتبار سے اس کی چار قسمیں ہیں: عام، خاص، مطلق اور مقید۔ ذیل میں ہر ایک کی تعریف اور مثالیں پیش کی جا رہی ہیں:

عام

عام وہ لفظ ہے جس کے مفہوم میں وہ تمام افراد بیک وقت داخل ہوں جو اس میں شامل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ سب افراد بیک وقت اس لفظ کے مفہوم میں شامل ہوں گے۔ اس طرح کہ ایک بار یہ لفظ بولنے سے اس کے تمام افراد ذہن میں آجائیں، جیسے لفظ الرجال اس میں وہ تمام افراد شامل ہیں جن پر رجل کا اطلاق ہوتا ہے یا المسلمون، المشرکون، الصالحون وغیرہ۔

عربی زبان میں بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں جو عموم وکثرت پر دلالت کرتے ہیں وہ بھی عام کہلاتے ہیں جیسے کل یا جمیع وغیرہ۔ اسی طرح بعض الفاظ وہ ہوتے ہیں جن میں معنوی اعتبار سے عموم ہوتا ہے، جیسے لفظ من یا ما وغیرہ۔

عام پر دلالت کرنے والے الفاظ

اپنی اصل وضع کے اعتبار سے عموم پر دلالت کرنے والے الفاظ عربی میں بہت سے ہیں اور ان کی کئی اقسام ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

Marfat.com

۱۔ کسی لفظ پر الف لام استغراق کے لیے آ جائے تو وہ عموم کے لیے ہو گا، جیسے: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾ [المائدة۵: ۳۸] (چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو)۔

اس آیت میں لفظ السارق اور السارقةُ پر الف لام استغراقی ہے، ان الفاظ میں عموم پایا جاتا ہے۔ السارق میں وہ تمام مرد اور السارقة میں وہ تمام عورتیں شامل ہیں جن پر یہ لفظ صادق آتا ہے۔

۲۔ کسی جمع کے صیغے پر الف لام جنس کا آئے تو وہ استغراق کا فائدہ دیتا ہے اور یوں اس کے معنیٰ میں عموم پیدا ہو جاتا ہے، جیسے: ﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ [البقرة۲: ۲۳۳] (مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں، یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہتا ہے)۔

اس آیت میں الْوَالِدَاتُ کے شروع میں الف لام استغراق کے لیے ہے۔ اس میں تمام مائیں شامل ہیں۔ اسی طرح ﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾ [البقرة۲: ۲۲۸] (طلاق یافتہ عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو روکے رکھیں)۔

یہاں الْمُطَلَّقَاتُ میں وہ تمام خواتین شامل ہیں جنہیں طلاق دی جا چکی ہے۔ یہ لفظ عام ہے اور عدت کی یہ مدت تمام مطلقہ عورتوں کے لیے ہے۔ اسی طرح سورہ نساء کی آیت: ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ [النساء۴: ۱۴۵] (بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نچلے گروہ میں ہوں گے)۔ میں الْمُنَافِقِين جمع مذکر کا صیغہ ہے اور اس پر الف لام جنس کا آیا ہے جو عموم استغراق کا فائدہ دے رہا ہے۔

Marfat.com

اسی طرح آیت ﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ [النور۲۴: ۲] (زنا کی مرتکب عورت اور مرد ہر دو کو سو کوڑے لگاؤ)۔ اور ﴿وَأَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرۃ۲: ۲۷۵] (اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال ٹھہرایا ہے اور سود کو حرام) میں الف لام استغراق کے لیے ہے، جس سے ان الفاظ کے معانی میں عموم پیدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ السارق اور السارقۃُ کی طرح الزَّانِي، الزَّانِيَةُ، الْبَيْع اور الرِّبَا یہ سب الفاظ بھی عام ہیں، اور اپنی وضع کے اعتبار سے ان تمام افراد کو شامل ہیں جن پر یہ صادق آتے ہیں۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اگر کسی مفرد لفظ پر الف لام جنس کا آئے یا کسی لفظ سے پہلے الف لام عہد کا آئے تو اس کے معنیٰ میں عموم پیدا نہیں ہو گا۔ جیسے: ﴿كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَى فِرْعَوْنَ رَسُولًا. فَعَصَى فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ﴾ [المزمل۷۳: ۱۵-۱۶] (جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا، پھر دیکھ لو کہ فرعون نے اس رسول کی بات نہ مانی)۔ یہاں الرسول سے عام رسول مراد نہیں، بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں، جن کی بعثت بنو اسرائیل کی طرف ہوئی تھی اور جنہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ فرعون کو دین کی دعوت دیں۔

۷۔ اسمائے موصولہ بھی عموم کے لیے استعمال ہوتے ہیں، جیسے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا﴾ [النساء۴: ۱۰] (جو لوگ یتیموں کا مال بطور ظلم کھا جاتے ہیں وہ دراصل اپنے سینوں میں آگ بھر رہے ہیں)۔ اس آیت میں الَّذِينَ عام ہے۔

آیت ﴿وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكُمْ﴾ [النساء۴: ۲۴] یعنی جن محرمات کا ذکر کر دیا گیا ہے، ان کے علاوہ سب حلال ہیں۔ یہاں لفظ "ما" عام ہے۔ اسی طرح آیت ﴿مَا

Marfat.com

عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللهِ بَاقٍ﴾ [النحل۱۶: ۹۶] (جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ فنا ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا) میں "مَا" دو دفعہ استعمال ہوا ہے، دونوں جگہ یہ عموم کے لیے ہے۔ اسم موصول عام کی چند مزید مثالیں ملاحظہ کیجیے:

- ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [البقرۃ۲: ۱۸۵] (تم میں سے جو بھی ماہ رمضان کو پائے وہ ضرور روزے رکھے)۔
- ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا﴾ [النساء۴: ۹۳] (جو بھی کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا)۔
- ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ. وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾ [الزلزال۹۹: ۷- ۸] (جو بھی ذرہ بھر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا اور جو ذرہ بھر بھی برائی کرے گا وہ بھی دیکھ لے گا)۔
- ﴿أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ﴾ [النساء۴: ۷۸] (تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمہیں آکر رہے گی، خواہ تم مضبوط چوباروں / برجوں میں ہی کیوں نہ ہو)۔
- ﴿مَا عِندَكُمْ يَنفَدُ وَمَا عِندَ اللهِ بَاقٍ﴾ [النحل۱۶: ۹۶] (جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ تو فنا ہونے والا ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا)۔
- ﴿وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ﴾ [النساء۴: ۳۴] (وہ خواتین جن سے تمہیں نافرمانی کا اندیشہ ہو تو انہیں نصیحت کرو اور سمجھاؤ)۔

Marfat.com

اسمائے استفہام بھی عموم کا فائدہ دیتے ہیں جیسے:

﴿مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ [البقرة ۲: ۲۴۵] (کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دے)۔

اسمائے اجناس میں بھی عموم پایا جاتا ہے۔ اسم جنس سے مراد وہ اسم ہے جس کا اس لفظ سے واحد نہ ہو، مثلاً حیوان، پانی، مٹی۔ جب ان پر الف لام جنسی داخل ہو تو عموم مراد ہوتا ہے، مثلاً ارشاد نبوی ہے: الماء طهور لا ينجّسه شيء[1] (یعنی پانی پاک ہے اور اسے کوئی چیز نجس نہیں کرتی)۔

یہاں الماء پر الف لام جنس داخل ہے اور اس لفظ میں ہر قسم کا پانی شامل ہے۔

وہ لفظ جو بطور نکرہ استعمال ہوا ہو اور نفی اور نہی کے سیاق و سباق میں وارد ہوا ہو، جیسے:

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا﴾ [التوبة ۹: ۸۴] (اے رسول ان منافقین میں سے کوئی مر جائے تو کبھی بھی اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیے)۔ اس آیت مبارکہ میں لفظ "أحد" نکرہ ہے اور جملہ نہی میں استعمال ہوا ہے، اس لیے یہ عموم کے لیے ہے۔

حدیث نبوی ہے: لا يُقتل والد بولده[2] (کسی باپ کو بیٹے کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا) یا لا وصية لوارث[3] (کسی وارث کے حق میں وصیت قبول نہیں کی جا سکتی)۔

البتہ اگر نکرہ سیاق نفی میں نہ ہو، بلکہ سیاق اثبات میں ہو تو وہ تخصیص کے لیے آتا ہے اس صورت میں اس میں عموم نہیں ہوتا۔

۱۔ سنن ابوداؤد: باب ما جاء في بئر بضاعة، حدیث ۶۶

۲۔ مسند احمد: أول مسند عمر بن الخطاب رضي الله عنه، حدیث ۳۴۶

۳۔ سنن ترمذی: باب ما جاء لا وصية لوارث، حدیث ۲۱۲۰

Marfat.com

عربی زبان میں کسی لفظ کے عموم پر دلالت کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ چند صورتیں حسب ذیل ہیں:

- المعرّف بالإضافہ وہ لفظ جو اضافت کے ذریعہ معرفہ بنایا گیا ہو، جیسے: ﴿وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللهِ لَا تُحْصُوهَا﴾ [ابراہیم ۱۴: ۳۴] (اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو ان کا احاطہ نہیں کرسکتے)۔

حدیث نبوی ہے: هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ، اَلْحِلُّ مَيْتَتُهُ* (سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے)۔

- لفظ کُل اور جمیع جس اسم کی طرف مضاف ہوں اس میں عموم پیدا کر دیتے ہیں مثلاً ﴿كُلُّ نَفسٍ ذَائِقَةُ المَوت﴾ [آل عمران ۳: ۱۸۵] (ہر متنفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے)۔ اور ﴿يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ [الأعراف ۷: ۳۱] (اے بنی آدم ہر نماز کے وقت اپنے تئیں آراستہ کر لیا کرو)۔ ان دونوں آیات میں لفظ کل عام ہے اور ان تمام افراد کو شامل ہے جن کی طرف اضافت ہے۔

علامہ سرخسی نے کُل اور جمیع کے عموم میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: لفظ جمیع اور کُل دونوں میں احاطہ کرنے کا معنیٰ پایا جاتا ہے، لیکن لفظ کل سے علی وجہ الانفراد احاطہ ظاہر ہوتا ہے جبکہ اس کے برعکس لفظ جمیع سے علی وجہ الاجتماع احاطہ لازم آتا ہے۔ اس فرق کو ایک مثال کے ذریعہ یوں واضح کیا جاسکتا ہے کہ مثلاً ایک سپہ سالار کہتا ہے: جمیع مَن دخل... تم میں سے وہ تمام لوگ جو قلعہ میں پہلے داخل ہوں گے ان کے

* سنن ابوداؤد: باب الوضوء بماء البحر، حدیث ۸۳

Marfat.com

لیے اتنا انعام ہے۔ اب اگر قلعہ میں دس افراد اکٹھے داخل ہو گئے تو وہ ایک ہی انعام کے حق دار ہوں گے کیونکہ جمیع کا لفظ علی وجہ الاجتماع احاطہ کرتا ہے اور یہ دس افراد دیگر لوگوں کے مقابلہ میں پہلے داخل ہونے والے ہیں۔ اس کے برعکس اگر سپہ سالار نے لفظ کل استعمال کرتے ہوئے یوں کہا: کل من دخل۔۔ (یعنی ہر وہ شخص جو قلعہ میں پہلے داخل ہو گیا...) تو اس صورت میں ہر وہ شخص جس نے دیگر لوگوں کے مقابلہ میں داخل ہونے میں سبقت حاصل کر لی، وہ منفرد کی طرح ہے لہٰذا وہ انعام کا مستحق قرار پائے گا۔[1]

اسمائے شرط: تمام اسمائے شرط مثلاً من، ما، أین، أنی، حیثما، حتی، أیان وغیرہ بھی اپنے معانی کے لحاظ سے عموم کا فائدہ دیتے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:[2]

- ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ [الأنعام۶: ۱۶۰] (جو شخص اچھائی لے کر آئے گا تو اس کو دس گنا اجر ملے گا اور جو برائی لے کر آئے گا تو اسے اس کا بدلہ اس جیسا ہی ملے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا)۔
- ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [البقرۃ۲: ۱۸۵] (تم میں جو ماہ رمضان پائے وہ اس کے روزے رکھے)۔
- ﴿وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللهُ﴾ [البقرۃ۲: ۱۹۷] (جو کچھ تم اچھا عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے)۔

۱۔ ملاحظہ ہو: أصول السرخسی، فصل فی بیان ألفاظ العموم ۱: ۱۵۷-۱۵۸

۲۔ مَن ذوی العقول کے لیے، ما غیر عاقل کے لیے، أین، أنی مکان یا جگہ، اور حتی اور أیان وقت کو ظاہر کرنے کے لیے آتے ہیں۔

Marfat.com

- ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ. وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾ [الزلزال۹۹: ۷-۸] (جو کوئی ذرہ بھر اچھا عمل کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا اور جو کوئی ذرہ بھر برا عمل کرے گا وہ بھی دیکھ لے گا)۔
- ﴿أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِكْكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُشَيَّدَةٍ﴾ [النساء۴: ۷۸] (جہاں کہیں تم ہو گے موت تمہیں آدبوچے گی خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو)۔
- وہ نکرہ جو نفی یا نہی کے سیاق و سباق میں وارد ہو۔ مثلاً: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا علی قبرہ﴾ [التوبۃ۹: ۸۴] (ان [منافقین] میں سے کسی کی نماز جنازہ ہرگز نہ پڑھیے)۔

حدیث نبوی ہے: لا وصية لوارث (وارث کے حق میں وصیت نہیں کی جا سکتی)۔ یہاں وارث نکرہ ہے، لیکن نفی کے ساتھ آیا ہے اس لیے اس میں عموم ہے یعنی کسی بھی وارث کے حق میں وصیت درست نہیں۔ اسی طرح "وصیت" بھی نکرہ ہے اور نفی کے ساتھ آیا ہے۔ لفظ وصیت کا اطلاق جس امر پر بھی ہو گا وہ اس حکم میں داخل ہے یعنی وارث کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہو گی۔ لا يُقتل والد بولده (باپ کو بیٹے کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا)۔ یہاں بھی عموم ہے یعنی کسی باپ کو اس کے بیٹے کی وجہ سے بطور قصاص قتل نہیں کیا جائے گا۔

عام کا حکم

نصوص میں جب لفظ عام استعمال ہوتا ہے تو اپنے تمام افراد کو محیط ہوتا ہے، جیسے: ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذائقةُ الموت﴾ [آل عمران۳: ۱۸۵] یہ حکم ہر ذی حیات کے لیے ہے، یا

Marfat.com

حدیث میں ہے: کُلّکم راعٍ وکلکم مسؤول عن رعیتہ[1] (تم میں ہر فرد راعی ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہو گی)۔

عام کا حکم یہ ہے کہ اس میں تمام افراد شامل ہوتے ہیں، لہٰذا عام پر اس کے عموم کے ساتھ ہی عمل کیا جائے گا، جیسے: ﴿كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ﴾ [الطور ۵۲: ۲۱] (ہر فرد اپنے کیے کا ذمہ دار ہے)۔ عام پر اس کے عموم کے ساتھ عمل کرنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ عام کی دلالت اپنے مفہوم پر قطعی ہوتی ہے۔ قطعی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی دلیل کی بنیاد پر دوسرے معنیٰ کا احتمال پیدا نہ ہو۔ مطلقاً احتمال کی نفی مراد نہیں ہے اور اگر کسی دلیل کے بغیر کسی دوسرے معنیٰ کا احتمال پیدا ہوا تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ایسے احتمال کی بنیاد کوئی دلیل نہیں ہے لہٰذا وہ معتبر نہیں ہے۔

عام میں تخصیص کی صورتیں

عام میں تخصیص کا احتمال ہوتا ہے، یہ تخصیص معقول اور مضبوط دلیل کے ذریعے ممکن ہے۔ عام میں مندرجہ ذیل طریقوں سے تخصیص کی جاتی ہے:

۱۔ کلام مفصل

کبھی تو نص میں ہی حکم عام کے ساتھ متصلاً تخصیص کر دی جاتی ہے، جیسے: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ [البقرۃ ۲: ۱۸۵] (آپ لوگوں میں سے جو شخص بھی اس مہینے کو پائے اس کو لازم ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے، اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے)۔

۱۔ صحیح بخاری: باب ﴿قوا انفسکم واھلیکم نارا﴾ [التحریم: ۶]، حدیث ۵۱۸۸

Marfat.com

اس آیت مبارکہ میں ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [البقرۃ۲: ۱۸۵] کے عموم میں سب ہی افراد داخل تھے لیکن بعد میں ساتھ ہی ﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا﴾ اور علی سفر آگیا تو اس کی رو سے مریض اور مسافر آیت کے عموم یعنی وجوب صیام سے نکل گئے۔

۲۔ کلام مستقل منفصل صیغۂ جمع معہ الف لام استغراق

دوسری صورت یہ ہے کہ علیحدہ مستقل کلام کے ذریعے نص کے عموم سے کچھ افراد کو خارج کر دیا جائے۔ اس کی مثال یہ ہے: ﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾ [البقرۃ۲: ۲۲۸] یہاں اَلْمُطَلَّقَاتُ عام ہے، اس میں تمام طلاق یافتہ عورتیں داخل ہیں، چاہے ان سے زن و شوئی کا تعلق قائم ہوا ہو یا نہ بھی۔ لیکن قرآن حکیم کی ایک دوسری آیت کے ذریعے اس کے عموم سے ان عورتوں کو جن سے زن و شوئی کا تعلق قائم نہ ہوا ہو خارج کر دیا گیا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا﴾ [الاحزاب۳۳: ۴۹] (اے ایمان والو! جب تم اہل ایمان خواتین سے نکاح کرو، پھر تم انہیں صحبت سے قبل ہی طلاق دے دو تو ان پر عدت گزارنا ضروری نہیں)۔

اسمائے موصولہ

ایک اور مثال قذف والی آیت ہے: ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا﴾ [النور۲۴: ۴] (جو لوگ پاک باز عورتوں کو تہمت لگاتے ہیں پھر ان کے خلاف چار گواہ پیش نہیں کر سکتے، تو انہیں اسی (۸۰) کوڑے لگاؤ اور پھر کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو)۔

اس نص کے عموم میں تہمت لگانے والے تمام افراد شامل ہیں۔ اس آیت میں الذین عموم کے لیے ہے۔ لہٰذا اس کی رو سے حد قذف ہر قاذف پر لازم ہوگی، خواہ وہ شوہر ہو یا کوئی

Marfat.com

اور۔ لیکن ایک دوسری آیت نے پہلی آیت کے عموم سے شوہر کو خارج کر کے آیت کو غیر ازواج کے لیے مخصوص کر دیا۔ دوسری آیت جس کی وجہ سے تخصیص پیدا ہوئی وہ یہ ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ. وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَةَ اللهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ۔ وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ. وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾ [النور ۲۴: ۶-۹] (جو لوگ اپنی بیویوں پر الزام لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے اپنے سوا دوسرا کوئی گواہ نہ ہو، تو ان میں ایک شخص کی شہادت یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ وہ اپنے الزام میں سچا ہے، اور پانچویں بار کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ اپنے الزام میں جھوٹا ہے۔ عورت کی سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر شہادت دے کہ یہ شخص اپنے الزام میں جھوٹا ہے، اور پانچویں مرتبہ کہے کہ خود اس خاتون پر اللہ کا غضب نازل ہو اگر وہ اپنے الزام میں سچا ہو)۔

اس دوسری آیت کی وجہ سے پہلی نص کے عموم میں تخصیص پیدا ہوئی۔ لہٰذا پہلی نص کا حکم صرف غیر ازواج کے لیے ہوگا۔

۳۔ تخصیص بالعقل

عقلی دلیل اگر بہت مضبوط ہو تو وہ بھی مخصص ہو سکتی ہے۔ خود شریعت نے تمام شرعی واجبات انھی لوگوں پر فرض کیے ہیں جو شرعاً مکلف ہیں، اور مکلف ہونے کی ایک شرط عقل بھی ہے۔ لہٰذا اس سے پتا چلتا ہے کہ شریعت عقل کا اعتبار کرتی ہے۔ أقیموا الصلاة اور آتوا الزکاة میں نماز قائم کرنے اور زکاۃ دینے کا حکم ہے لیکن اس حکم سے بچے، دیوانے اور مجنوں لوگ مستثنیٰ ہیں۔

Marfat.com

۴۔ تخصیص بالعرف

بسا اوقات عرف و عادت کی بنا پر بھی تخصیص ہو جاتی ہے۔ جیسے حدیث ہے نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الطعام بجنسہ متفاضلا (رسول اللہ ﷺ نے طعام (غلہ) کو اسی کی جنس کے بدلہ کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنے سے منع فرمایا)۔ اس حدیث میں طعام سے مراد وہ طعام (غلہ) ہے جو عہد رسالت کے عرف میں طعام کہلاتا تھا، گویا طعام کا مفہوم اس دور کے عرف سے متعین ہوگا۔

اگر کسی شخص نے وصیت کی کہ میرے مال میں سے ایک سواری خرید کر فلاں شخص کو دے دی جائے، تو سواری کا تعین عرف کے مطابق کیا جائے گا۔ العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب، یہ کلیہ فقہا کے ہاں مشہور ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ عام کو عام ہی رکھا جائے گا، اگرچہ اس کے پس منظر میں کوئی خاص واقعہ یا سبب موجود ہو نص کا حکم عام ہی رہے گا اور جو واقعہ اس حکم کے نزول کا سبب بنا ہے اسے نظر انداز کر دیا جائے گا۔

عام "مخصوص منہ البعض" وہ عام ہے جس سے بعض افراد کی تخصیص کر دی گئی ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے جو افراد تخصیص کے بعد باقی بچے ہیں ان پر نص کا حکم صادق آئے گا۔ لہٰذا اس پر عمل کرنا واجب ہوگا۔ العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب اس کا مفہوم یہ ہے کہ عام کو اپنے عموم پر باقی رکھا جائے گا اگرچہ اس کا ورود کسی خاص سبب یا معین واقعہ کی وجہ سے ہوا ہو۔

۵۔ تخصیص بالحس

حس بھی عموم کی مخصص ہو سکتی ہے، جیسے قرآن مجید کی آیت ہے: ﴿تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا﴾ [الأحقاف ۴۶: ۲۵] (ہوا اکھاڑ پھینکے گی اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو)۔ اس میں وہی چیزیں شامل ہوں گی جو ایسی ہوا سے اکھاڑ پھینکے جانے کے قابل ہوں گی۔

Marfat.com

۶۔ تخصیص بالوصف

یعنی کسی وصف کی بنا پر تخصیص کرنا۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ [النساء ۴: ۲۳] (تمہاری بیوی کی ان بیٹیوں سے بھی نکاح جائز نہیں جو تمہاری پرورش میں رہی ہیں اور جو تمہاری ان بیویوں سے ہیں جن سے تم نے صحبت کی ہے لیکن اگر ابھی تم نے ان بیویوں سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں)۔

لہٰذا جن بیویوں کے ساتھ قربت نہ ہوئی ہو ان کی بیٹیاں اس میں داخل نہیں ہیں۔

۷۔ تخصیص بالشرط

شرط عموم کا مخصص بن سکتی ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے: ﴿وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ﴾ [النساء ۴: ۲۵] (تم میں سے جو شخص پاک دامن مومن عورتوں سے نکاح کی قدرت نہ رکھے)۔

۸۔ تخصیص بالاستثناء

حرف استثنا سے بھی تخصیص ہو جاتی ہے، مثال کے طور پر قرآن مجید کی آیت ہے: ﴿إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا﴾ [البقرۃ ۲: ۲۸۲] (لہٰذا جو معاملہ قرض اور ادھار نہ ہو وہ کتابت سے مستثنیٰ ہے)۔ حالانکہ لین دین میں کتابت کرنے کا حکم ہے۔

۹۔ تخصیص بحروف الغایۃ

حروف انتہا إلی اور حتی کے ساتھ تخصیص: ﴿فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ﴾ [المائدۃ ۵: ۴] (اپنے چہروں اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ)۔ یہاں إلی

Marfat.com

تخصیص کے لیے ہے جس نے ہاتھ دھونے کے حکم کو کہنیوں سے نیچے تک خاص کر دیا۔ لہٰذا کہنیوں سے اوپر والا حصہ دھونے میں داخل نہیں ہے۔

خاص

كل لفظ وضع لمعنى واحد على الانفراد (خاص وہ لفظ ہے جو انفرادی طور پر ایک معین معنیٰ / مفہوم یا مسمّیٰ معلوم کے لیے وضع کیا گیا ہو)۔ یہاں معنیٰ معلوم یا مفہوم معین کی قید اس لیے لگائی گئی ہے تاکہ غیر معین خارج ہو جائے۔ اگر معنیٰ معلوم و متعین نہ ہو تو پھر وہ مشترک کہلائے گا۔ انفرادی کی قید سے عام خارج ہو گیا۔ خاص کی تین قسمیں ہیں:

خاص شخصی: جیسے اسما اور اعلام، مثلاً زید، عائشہ، لاہور وغیرہ۔

خاص نوعی: معنیٰ کے لحاظ سے کسی خاص نوع کا ذکر مقصود ہوتا ہے جیسے رجل صرف مردوں کے لیے خاص ہے۔ یا امرأة عورتوں کے لیے مخصوص ہے۔

خاص جنسی: کسی ایک جنس کے لیے خاص ہو جیسے انسان، اس سے مراد حیوان ناطق ہے۔ حیوان کی دیگر اقسام خارج ہو گئیں۔

خاص نوعی اور خاص جنسی، خاص ہی میں داخل ہیں اس لیے کہ نوع اور جنس کی صورت میں لفظ سے ایک ہی مفہوم و معنیٰ مراد ہوتے ہیں۔ لفظ خاص ایک ہی معنیٰ کے لیے ہے۔ اگرچہ خارج میں اس کے افراد زیادہ ہوں یا خارج میں اس کے افراد نہ ہوں۔ جیسے رجل ایک ہی معنیٰ کے لیے یہ لفظ وضع کیا گیا ہے۔ اس کا اطلاق اس فرد پر ہوتا ہے جو مذکر ہو اور بچپن کی حدود سے تجاوز کر کے بلوغ کی حد میں شامل ہو گیا ہو۔ اسی طرح نوع جنسی مثلاً انسان ایک ہی معنیٰ کے لیے وضع کیا گیا ہے اور وہ ہے حیوان ناطق۔

خاص کی مندرجہ بالا تعریف کی رو سے تمام اعداد خاص میں ہی شمار ہوتے ہیں۔ جیسے أحد، عشر، ثلاثين، مائة، ان سب کا شمار خاص نوعی میں ہوتا ہے۔

Marfat.com

خاص کا حکم

خاص اپنے مفہوم میں خود واضح ہوتا ہے۔ اس میں کوئی ابہام یا اشکال نہیں ہوتا۔ اس لیے اس کی دلالت اپنے مفہوم پر قطعی ہوتی ہے، لہٰذا اس پر عمل کرنا یقیناً واجب ہے۔ خاص کسی تفسیری بیان یا وضاحت کا محتاج نہیں ہوتا، جیسے: ﴿فَمَنْ لَمْ يَجِدْ مِنكُم فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَامٍ﴾ [المائدۃ۵: ۸۹] (جو اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ تین دن کے روزے رکھے)۔

یہاں لفظ ثلاثة خاص ہے اور اس کی دلالت اپنے مفہوم پر قطعی ہے۔ لہٰذا تین دن کے روزے لازم ہوئے۔ اس تین کے عدد میں کمی کی گنجائش ہے نہ زیادتی کی۔ یا ﴿فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً﴾ [النور۲۴: ۴] (زانی کو اسّی کوڑے لگاؤ)۔ یہاں اسّی کے عدد میں کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہے۔

حدیث نبوی ہے: في كل أربعين شاةً شاةٌ (بکریوں، بھیڑوں میں زکاۃ کا نصاب چالیس بکریاں مقرر ہیں۔ ان میں سے ایک بکری بطور زکاۃ ادا کرنا ہوگی)۔ أربعين میں کمی بیشی کی گنجائش نہیں۔

﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾ [البقرۃ ۲: ۲۲] (جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ تین مرتبہ ایام ماہوار آنے تک اپنے آپ کو روکے رکھیں)۔ اس آیت میں ان خواتین کی عدت بیان کی گئی ہے جو بالغ ہوں اور خاوندوں سے ان کی قربت بھی ہو چکی ہو مگر حاملہ نہ ہوں تو ان کی عدت تین قروء ہے۔ حنفی فقہا قُرُوء سے مراد حیض لیتے ہیں۔ شافعیہ قُرُوء سے طہر مراد لیتے ہیں۔ حنفیہ کا استدلال یہ ہے کہ لفظ ثلاثة خاص ہے۔ اس کا اطلاق تین کے عدد پر ہوتا ہے نہ کم پر نہ زیادہ پر۔ یہ لفظ اپنی مراد اور معنیٰ میں قطعی ہے۔ لہٰذا وجوب عدت تین قروء ہے: تین پر اطلاق اسی وقت ہوگا جب اس سے مراد حیض لیا جائے۔

Marfat.com

اگر قُرُوءٍ سے مراد طہر لیا جائے تو پھر عدت کی مدت یا کم ہو گی یا زیادہ، پورے تین نہیں ہو گی۔ نص کا مقتضیٰ یہ ہے کہ عدت تین قُرُوء ہو، نہ کم نہ زیادہ۔

مطلق

مطلق سے مراد وہ لفظ ہے جو اپنے مدلول پر دلالت کرتا ہو، اور اس کا مدلول پوری جنس میں پھیلا ہوا ہو لیکن اس کے ساتھ کوئی وصف یا قید نہ ہو۔ (لفظ کی دلالت فرد یا افراد غیر معینہ پر بغیر کسی لفظی قید کے ہو۔ جیسے رجل یا رجال۔ کتاب یا کتب۔ دیگر الفاظ میں اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ مطلق وہ لفظ ہے جو واحد، جمع یا کسی وصف کے بغیر اپنے مدلول پر دلالت کرتا ہو، جیسے: ﴿تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ﴾ [المجادلۃ ۵۸: ۳] کفارہ ظہار میں کسی بھی غلام کو آزاد کرنا کافی ہے، مومن غلام ہو یا غیر مومن۔

مطلق کا حکم

مطلق کا حکم یہ ہے کہ اسے مطلق ہی رکھا جائے گا اور اس کے اطلاق کے ساتھ ہی عمل کیا جائے گا۔ مطلق کی دلالت اپنے مدلول پر قطعی ہوتی ہے۔ لہٰذا نص کا حکم اپنے مدلول کے لیے ثابت ہو گا۔ اس لیے کہ مطلق خاص کی ایک قسم ہے۔

- ﴿وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا﴾ [المجادلۃ ۵۸: ۳] اس آیت میں لفظ رقبۃ مطلق ہے۔ یہاں کوئی شرط یا وصف بیان نہیں ہوا۔ لہٰذا مُظاھر (ظہار کرنے والا) کفارے میں جو بھی غلام آزاد کر دے کفارہ ادا ہو جائے گا۔ غلام چھوٹا ہو یا بڑا، مسلمان ہو یا غیر مسلم۔

حنفیہ کے نزدیک اگر کتاب اللہ کے مطلق پر عمل ممکن ہو تو اسے خبر واحد اور قیاس کے ذریعے مقید نہیں کر سکتے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک کتاب اللہ کے مطلق کو خبر واحد کے ذریعے

Marfat.com

مقید کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً ﴿فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ [المائدة ۵: ۶] (اپنے چہروں کو دھولو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ اور سر کا مسح کرو اور پاؤں کو ٹخنوں تک دھوؤ)۔

یہ نص مطلق ہے لہٰذا منہ، ہاتھ، پاؤں دھونے اور سر کا مسح کرنے سے وضو مکمل ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے نیت شرط نہیں، نہ ہی بسم اللہ کا پڑھنا شرط ہے، لیکن حنفیہ حتی الامکان تطبیق کی کوشش کرتے ہیں تاکہ نص قرآن اور خبر واحد دونوں پر عمل ہو جائے۔ لہٰذا حنفیہ نیت و بسم اللہ اور ترتیب وغیرہ کو شرط یا فرض تو قرار نہیں دیتے لیکن ان کے نزدیک یہ سنت ہے کہ بسم اللہ بھی پڑھے اور نیت بھی کرے اور باقاعدہ ترتیب کے ساتھ وضو کرے۔

اسی طرح ﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ [النور ۲۴: ۲] (زنا کرنے والے مرد اور عورت ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ)۔ اس آیت میں ﴿مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ زنا کی سزا بیان کی گئی ہے۔ لہٰذا خبر واحد البکر بالبکر مائة جلدة و تغریب عام کی بنیاد پر نص قرآنی میں اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔ سزا سو کوڑے ہی مقرر ہے۔ البتہ حنفیہ آیت قرآنی اور خبر واحد میں اس طرح تطبیق کرتے ہیں کہ اصل سزا تو مائة جلدة ہی ہے۔ البتہ اگر قاضی مناسب سمجھے تو وہ بطور تعزیر جلاوطن بھی کر سکتا ہے۔ اس طرح سو کروڑوں کی سزا بطور حد نص کی وجہ سے نافذ ہو گی اور سال بھر جلاوطنی کی تعزیر خبر واحد کی بنا پر دی جا سکتی ہے، یہ سزا قاضی کی صواب دید پر ہے۔

- مطلق کی ایک اور مثال یہ ہے: ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ [البقرة ۲: ۲۳۴] (جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں پیچھے چھوڑ جائیں تو وہ خواتین چار ماہ دس دن انتظار کریں گی)۔

Marfat.com

اس آیت میں لفظ أَزْوَاجًا مطلق ہے۔ لہٰذا یہ مطلق ہی رہے گا اور ہر خاتون جس کے شوہر کا انتقال ہو جائے چار ماہ دس دن کی عدت گزارے گی خواہ وہ مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا۔

البتہ اگر مضبوط دلیل ہو تو مطلق کو مقید کیا جاسکتا ہے، جیسے تقسیم وراثت والی آیت میں ہے: ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ [النساء ۴: ۱۱] (یہ وراثت کی تقسیم اس وقت ہو گی جب میت کی وصیت پوری کر دی جائے اور جو قرضہ اس کے ذمہ ہو وہ ادا کر دیا جائے)۔ اس آیت میں وصیت کا لفظ مطلق ہے۔ یہاں کسی مقدار وغیرہ کی قید نہیں ہے۔ لہٰذا اس آیت کی رو سے وصیت کرنے والے کے لیے جائز ہے کہ وہ جس قدر مال کی وصیت کرنا چاہے کر سکتا ہے لیکن اس آیت کو حدیث مشہور کے ذریعہ مقید کیا گیا ہے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہائی مال سے زیادہ کی وصیت سے منع فرمایا۔ سنت مشہورہ کے ذریعہ قرآن کریم کے مطلق کو مقید کیا جاسکتا ہے۔

مطلق کے بارے میں قاعدہ یہ ہے: إجراء المطلق علی إطلاقه (یعنی مطلق کو مطلق ہی رکھا جائے گا)۔ لہٰذا کسی قید یا شرط کا اضافہ اس اصل کے خلاف ہو گا۔ البتہ اگر کوئی معقول دلیل موجود ہو تو اس پر غور کیا جاسکتا ہے۔ اگر دلیل واقعی مضبوط ہو تو اس کو قبول بھی کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ وصیت کی مثال اوپر گزر چکی ہے۔ ایک دوسری مثال یہ ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى﴾ [البقرة ۲: ۱۷۸] (تم پر مقتولوں کے بارے میں قصاص فرض کر دیا گیا ہے)۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ باپ کو بیٹے کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

Marfat.com

مقید

وہ لفظ ہے جو اپنی جنس میں پھیلے ہوئے مفہوم کے ساتھ کوئی شرط یا وصف بھی رکھتا ہو۔

مطلق اور مقید میں اس لحاظ سے فرق واضح ہو جاتا ہے کہ مطلق کا تعلق مجرد ذات سے ہوتا ہے، قطع نظر اس کی صفات اور شرائط کے جبکہ مقید کا تعلق ذات اور صفت دونوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

مقید کا حکم

مقید کا یہ حکم ہے کہ اس پر شرط یا قید کے ساتھ عمل کیا جائے گا۔ شرط یا قید کو بغیر کسی دلیل کے ختم نہیں کیا جاسکتا جیسے: ﴿وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾ [النساء۴: ۲۳] (تمہاری گود میں پرورش پانے والی وہ لڑکیاں جو تمہاری ان بیویوں سے ہوں جن سے تمہارا تعلق زن و شوئی ہو چکا ہے (تم پر حرام کر دی گئی ہیں)۔

اس آیت میں مِنْ نِسَائِكُم مطلق ہے لیکن اس کے ساتھ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ کی شرط لگا کر اسے مقید کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا ربائب محض عقد نکاح کی وجہ سے حرام نہیں ہوں گی بلکہ صرف وہ ربیبہ محرمات میں سے ہو گی جس کی والدہ سے نکاح بھی کیا ہو اور صحبت بھی کی ہو۔

کفارۂ ظہار کے بارے میں نص ہے: ﴿فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا﴾ [المجادلہ۵۸: ۴] اس آیت میں دو ماہ کے روزوں کو متتابعین کے ساتھ مقید کر دیا ہے۔ لہٰذا مسلسل دو ماہ کے روزے رکھنا ضروری ہوں گے۔

قتل خطا کے کفارہ کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ﴾ [النساء۴: ۹۲] یہاں رَقَبَةٍ کی صفت مُؤْمِنَةٍ آئی ہے۔ لہٰذا اس صفت کے ساتھ ہی عمل کرنا ہو گا۔ قرآن کریم کی عائد کردہ اس قید کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔

Marfat.com

مطلق سے مقید مراد لینا

مطلق اور مقید کے حکموں کے بارے میں یہ واضح ہے کہ اگر ان دونوں کے حکم علیحدہ علیحدہ ثابت ہیں تو اسی طرح ان پر عمل کیا جائے گا۔ یعنی مطلق سے جو حکم ثابت ہے اس پر عمل کرنا واجب ہے اور مقید سے جو حکم ثابت ہے اس پر بھی عمل کرنا واجب ہے۔

لیکن اگر مطلق اور مقید کے الگ الگ حکم نہ ہوں بلکہ وہ دونوں ایک ہی حکم میں جمع ہوں تو اس صورت میں مطلق کو مقید پر محمول کرنے کے بارے میں فقہا کی آرا مندرجہ ذیل ہیں:

اتفاق کی صورتیں

مندرجہ ذیل تین صورتوں پر فقہا کا اتفاق ہے:

۱۔ اگر مطلق اور مقید حکم و سبب میں دونوں جگہ ایک ہوں تو ایسی صورت میں مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔ مثال کے طور پر قرآن مجید کی اس آیت: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ﴾ [المائدۃ ۵: ۳] (تم پر مردار، خون اور خنزیر کا گوشت حرام ہے)۔ اس آیت میں دم (یعنی خون) مطلق ہے کسی قید یا وصف کے بغیر ہے۔ قرآن مجید میں دوسری جگہ فرمایا: ﴿قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا﴾ [الانعام ۶: ۱۴۵] (آپ کہہ دیجیے کہ جو مجھ پر وحی ہوئی ہے اس میں کھانے والے پر بس یہی چیزیں حرام پاتا ہوں مردار یا بہتا ہوا خون)۔

اس دوسری آیت میں دم پر مسفوح (بہتا ہوا خون) کی قید ہے۔ دونوں آیات میں حکم ایک ہے یعنی حرام ہے اور سبب بھی ایک ہے یعنی خون کا بہتا ہوا ہونا، لہذا یہاں مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔ اور بہتا ہوا خون حرام ہے۔ جو خون بہتا نہ ہو وہ پاک ہے جیسے کلیجی، تلی۔

Marfat.com

۲۔ اگر مطلق اور مقید دونوں حکم اور سبب میں مختلف ہوں تو ایسی صورت میں مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ مثال: ﴿السارق وَالسارقةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾ [المائدۃ۵: ۳۸] (چور مرد اور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو)۔

اس آیت میں لفظ أَيْدِي مطلق ہے اس کے ساتھ کوئی قید یا وصف نہیں ہے۔ دوسری جگہ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ﴾ [المائدۃ۵: ٦] (اے ایمان والو! جب تم نماز کا ارادہ کرو تو اپنے چہروں اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھو)۔ ایک دوسری آیت میں أَيْدِيَكُمْ کا لفظ إِلَى الْمَرَافِقِ کی قید کے ساتھ ہے یعنی ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوو۔

یہاں مطلق اور مقید دونوں حکم اور سبب میں مختلف ہیں۔ پہلی آیت میں چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے اور سبب چوری ہے جبکہ دوسری آیت میں ہاتھوں کو دھونے کا حکم ہے اور سبب نماز کا ارادہ ہے لہٰذا مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ اگر مطلق اور مقید دونوں کا سبب ایک ہو لیکن حکم علیحدہ علیحدہ ہوں تو ایسی صورت میں بھی مطلق سے مقید مراد نہیں لیا جائے گا مثلاً آیت قرآنی ہے: ﴿فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ﴾ [المائدۃ۵: ٦] اس آیت میں لفظ أَيْدِيَكُمْ مقید ہے اور اس کی قید إِلَى الْمَرَافِقِ ہے۔ دوسری آیت ہے: ﴿فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ﴾ [المائدۃ ۵: ٦] اس آیت میں لفظ أَيْدِيَكُمْ مطلق ہے لیکن دونوں کا حکم مختلف ہے۔ پہلی آیت میں مقید کا حکم دھونے کا ہے اور دوسری آیت میں مطلق کا حکم مسح کا ہے۔ لیکن سبب حکم ایک ہی ہے یعنی بے وضو ہونے کی حالت میں وضو کا ارادہ کرنا۔ اس صورت میں مطلق سے مقید مراد نہیں لیا جائے گا، بلکہ ہر ایک پر اپنی اپنی جگہ عمل کیا جائے گا۔

Marfat.com

اختلاف کی صورت

مندرجہ ذیل صورت میں مطلق سے مقید مراد لینے پر فقہا کا اختلاف ہے؛ اگر مطلق اور مقید حکم میں ایک اور سببِ حکم میں مختلف ہوں۔ مثال: کفارہ ظہار کے بارے میں آیت ہے: ﴿فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ﴾ [المجادلۃ۵۸: ۳] (ایک غلام آزاد کرنا ہے)۔ اس آیت میں لفظ رَقَبَةٍ غلام کے بارے میں مطلق ہے۔

کفارۂ قتل کے بارے میں آیت ہے: ﴿فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ﴾ [النساء۴: ۹۲] (ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے)۔ اس آیت میں لفظ رَقَبَةٍ کی قید مُؤْمِنَةٍ ہے۔

مندرجہ بالا دونوں آیات میں حکم ایک ہے یعنی غلام آزاد کرنا۔ جبکہ اسباب مختلف ہیں۔ پہلی آیت کے حکم میں سبب اپنی کہی ہوئی بات سے پھر جانا اور دوسری آیت میں سببِ حکم قتل ہے۔ ایسی صورت میں حنفیہ کے نزدیک مطلق سے مقید مراد نہیں لیا جائے گا، جبکہ جمہور فقہا کے نزدیک مطلق سے مقید مراد ہو گا اور دونوں صورتوں میں مومن غلام آزاد کیا جائے گا۔

خاص کی قسمیں

خاص کی مزید دو قسمیں ہیں: امر اور نہی

ا۔ امر

امر بھی خاص کی اقسام میں سے ایک قسم ہے، اور اصطلاحاً امر سے مراد وہ لفظ ہے جس کے ذریعہ کسی برتر و اعلیٰ کی جانب سے کسی کام کا لزومی طور پر مطالبہ کیا جائے۔ امر کے صیغوں کے علاوہ وہ تمام الفاظ اس میں شامل ہیں جو یہ مفہوم ادا کرتے ہوں یا جن سے یہ مقصود حاصل ہوتا ہو، اس میں امر حاضر، غائب یا اسم فعل جو امر کے معنیٰ میں ہو سب شامل ہیں۔

Marfat.com

فعلِ امر وجوب کے لیے آتا ہے، جیسے: ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾ [البقرۃ۲: ۴۳] (نماز قائم کرو اور زکاۃ ادا کرو اور جھکنے والوں کے ساتھ مل کر (اللہ تعالیٰ کے سامنے) جھک جاؤ)۔ یا ﴿لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ﴾ [الطلاق ۶۵: ۷] (صاحب وسعت اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے)۔ وجوب کے علاوہ دوسرے معنیٰ بھی مراد ہو سکتے ہیں جیسے ﴿وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا﴾ [المائدۃ۵: ۲] (جب تم احرام اتار دو تو پھر شکار کر سکتے ہو)۔ یہاں اصْطَادُوا امر کا صیغہ ہے لیکن اباحت کے لیے استعمال ہوا ہے، یا مثلاً بندہ اپنے رب سے کہے رب اغفر وارحم (اے میرے رب میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما)، تو یہ دعا اور التماس کے لیے ہوگا۔

۲۔ نہی

نہی امر کی ضد ہے، فقہی اصطلاح میں برتری کی بنیاد پر کسی کام کو لازمی طور پر ترک کرنے کا مطالبہ ''نہی'' کہلاتا ہے۔ اس کے لیے نہی کے تمام صیغے اور حرمت و ممانعت پر دلالت کرنے والے الفاظ استعمال ہوتے ہیں، مثلاً: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا﴾ [الاسراء۱۷: ۳۲] (زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو)۔ ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ [البقرۃ ۲: ۱۸۸] (ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ)۔ یا ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ [المائدۃ۵: ۳] (مردار تم پر حرام کر دیا گیا ہے)۔ ﴿وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ﴾ [الانعام۶: ۱۲۰] (ظاہری اور پوشیدہ ہر طرح کا گناہ ترک کر دو)۔ نہی کا حکم یہ ہے کہ اس سے حرمت و ممانعت ثابت ہوتی ہے، لہٰذا اس امر کا ترک کرنا واجب ہوتا ہے البتہ قرائن موجود ہوں تو حرمت کی بجائے کراہت بھی ثابت ہوتی ہے۔

Marfat.com

مشترک

وہ لفظ ہے جو دو یا دو سے زیادہ مختلف الحقیقت معانی کے لیے وضع کیا گیا ہو، جیسے لفظ قرء حیض اور طہر دونوں معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یا لفظ جاریۃ باندی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور کشتی کے لیے بھی۔ یا لفظ مشتری خریدار کو بھی کہا جاتا ہے اور آسمان کا ایک ستارہ بھی مشتری کہلاتا ہے۔ یا لفظ عین جو دو سے زیادہ مفہوم ادا کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ عین کے معنیٰ آنکھ، چشمہ (پانی کا)، جاسوس اور خرید و فروخت کی اشیاء وغیرہ، یہ لفظ ان میں سے ہر معنیٰ کے لیے حقیقتاً استعمال ہوتا ہے۔

مشترک کا حکم

جب کوئی مشترک لفظ نص میں استعمال ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس لفظ اور عبارت میں غور و فکر کیا جائے گا۔ اگر لفظ لغوی معنیٰ اور شرعی اصطلاح دونوں میں مشترک ہے تو اس صورت میں شرعی اصطلاحی معنیٰ مراد لیا جائے گا، لغوی معنیٰ ترک کر دیا جائے گا۔ جیسے ﴿اقیموا الصلوٰۃ﴾ یہاں صلاۃ کا شرعی و اصطلاحی معنیٰ مراد ہے۔ اسی طرح ﴿آتوا الزکوٰۃ﴾ یہاں زکاۃ کا لغوی مفہوم مراد نہیں بلکہ شرعی اصطلاح میں زکاۃ کا مفہوم مقرر ہے وہی مراد ہے اور اگر لغوی اعتبار سے لفظ دو یا دو سے زیادہ معانی میں مشترک ہو تو ان میں سے ایک معنیٰ کا تعین دلیل کی بنا پر کیا جائے گا۔ بیک وقت دو یا دو سے زیادہ معانی مراد نہیں لیے جا سکتے۔ جیسے ﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾ [البقرۃ ۲: ۲۲۸]۔ اس آیت میں لفظ قرء یا حیض کے معنیٰ میں استعمال ہوگا یا طہر کے معنیٰ میں۔ یہاں فقیہ کو غور و فکر کرنا ضروری ہے تاکہ وہ شارع کی مراد کو دلیل کے ساتھ سمجھ سکے۔

Marfat.com

اس آیت میں لفظ قُرُوء کا معنیٰ حنفیہ کے نزدیک حیض ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ لفظ ثَلاثَةَ خاص ہے (جیسے پہلے ذکر کیا گیا) اور اس کی دلالت اپنے مفہوم پر واضح ہے۔ اس لیے کہ تین کا عدد قطعی ہے۔ لہٰذا عدت کی مدت تین قُرُوء ہی ہو گی، نہ اس سے کم ہو گی نہ زیادہ اور تین پر عمل اسی صورت میں ممکن ہے جب قروء سے مراد حیض لیا جائے۔ اگر اس سے مراد طہر لیا جائے تو پھر ٹھیک تین پر عمل ممکن نہیں۔ اس لیے کہ شوہر اپنی بیوی کو حالت طہر میں ہی طلاق دے سکتا ہے۔ حیض کی حالت میں طلاق دینا جائز نہیں۔ لہٰذا جس طہر میں اس نے طلاق دی ہے اس کا کچھ حصہ تو گزر چکا ہو گا اور کچھ باقی ہو گا، اگر باقی کو ایک شمار کیا جائے اور اس کے بعد مزید دو طہر شمار کیے جائیں تو حقیقتاً ڈھائی یا سوا دو طہر ہوں گے، تین نہیں ہو سکتے۔ اگر اس طہر کو جس میں طلاق ملی تھی اس کے گزرنے کے بعد تین طہر شمار کیے جائیں تو وہ پہلے طہر کے بقیہ حصہ کے ساتھ مل کر سوا تین یا ساڑھے تین ہو جائیں گے۔ پورے تین نہیں ہوں گے جبکہ شارع نے ثَلاثَةَ قُرُوءٍ کہہ کر تین کا تعین کیا ہے۔ لہٰذا تین پر عمل ضروری ہے۔

عام اور مشترک میں فرق

۱۔ عام میں لفظ ایک ہی مرتبہ کئی معنوں کے لیے وضع ہوتا ہے اور مشترک میں لفظ ہر معنیٰ کے لیے علیحدہ علیحدہ وضع ہوتا ہے۔

۲۔ عام بیک وقت کئی معنوں میں شامل ہوتا ہے اور مشترک سے بالعموم ایک وقت میں ایک ہی معنیٰ مراد لیا جاتا ہے۔

مؤوّل

مشترک کے مختلف معانی میں سے کسی ایک معنیٰ کو کسی دلیل یا غالب رائے مثلاً خبر واحد، قرینہ، سیاق و سباق، لفظ میں غور و فکر اور مجتہد کے اجتہاد وغیرہ کی بنا پر ترجیح دی جائے تو

Marfat.com

وہ مؤوّل کہلائے گا۔ یہاں دلیل سے مراد دلیل ظنی ہے۔ اس لیے کہ اگر دلیل قطعی کی بنا پر ایک مفہوم متعین کیا جائے تو وہ مفسر کہلائے گا۔ چنانچہ اس آیت ﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾ میں حنفیہ نے جب ایک دلیل کی بنا پر قُرُوءٍ کے معنیٰ حیض متعین کر لیے تو اب یہ لفظ مؤوّل ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی یہ لفظ مؤول ہو گیا۔ اس لیے کہ انہوں نے اس کا معنیٰ طہر متعین کر لیا۔ جب تک کسی ایک معنیٰ کا تعین نہیں کیا گیا تھا یہ لفظ مشترک تھا لیکن جب ایک معنیٰ کا تعین کر لیا گیا تو یہ لفظ مؤوّل قرار پایا۔

امام بزدوی کے نزدیک مشترک کے مختلف معانی میں سے کسی ایک معنیٰ کو کسی ایسی دلیل کے ذریعہ متعین کر لینا جو دلیل قطعی نہ ہو، تاویل کہلاتا ہے۔ تاویل کے بعد وہ لفظ مؤول کہلائے گا۔ صاحب المیزان کا کہنا یہ ہے کہ خفی، مشکل، مشترک اور مجمل کا اشکال جب کسی غیر قطعی یا ظنی دلیل سے دور ہو تو وہ مؤول کہلاتا ہے۔[1]

حنفیہ کے نزدیک ظاہر اور نص میں بھی تاویل کا احتمال ہوتا ہے۔ ان میں موجود بعض احتمالات کا کسی دلیل کی بنیاد پر تعین کر لیا جائے تو یہ بھی مؤول کہلائیں گے۔[2]

مؤوّل کا حکم

مؤوّل کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا چاہیے لیکن اس کا مفہوم قطعی نہیں بلکہ ظنی ہوتا ہے۔

۱۔ دلالۃ الکتاب والسنۃ علی الأحکام، ص ۴۴۱

۲۔ ایضاً، ص ۴۴۱۔ ۴۴۲

Marfat.com

فصل دوم

مرادی معنٰی کے لحاظ سے لفظ کی اقسام

حقیقت- مجاز- صریح- کنایہ

مرادی معنٰی کی تعیین کے لحاظ سے لفظ کی مزید چار قسمیں ہیں: حقیقت، مجاز، صریح اور کنایہ۔ ذیل میں ہر ایک کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے:

حقیقت

حقیقت وہ لفظ ہے جو کسی شے کے لیے لغت میں وضع کیا گیا ہو یا جب لفظ اس مفہوم پر دلالت کرے جس کے لیے وہ اصلاً لغت میں وضع کیا گیا ہو تو اسے حقیقت سے تعبیر کیا جائے گا۔ جیسے السماء آسمان کے لیے یا البحر سمندر کے لیے وضع کیا گیا ہے۔

حقیقت کی اقسام

حقیقت کی درج ذیل تین قسمیں ہیں:

۱۔ **حقیقت لغویہ یا حقیقت وضعیہ:** وہ یہ ہے کہ لفظ بول کر اس کے لغوی معنٰی ہی مراد لیے جائیں، جیسے أسد بول کر وہی جانور مراد لیا جائے جس کے لیے لغت میں یہ لفظ وضع کیا گیا ہے۔

۲۔ **حقیقت شرعیہ:** اگر کسی لفظ کو شریعت نے کوئی خاص مفہوم دے دیا ہے اور وہ اس مفہوم میں استعمال ہونے لگا ہے تو اسے حقیقت شرعیہ کہا جائے گا۔ جیسے الصلاۃ، الزکاۃ، الإیمان، الإسلام، الزواج، الطلاق وغیرہ اپنے مخصوص شرعی مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں، ان کے لغوی معنٰی متروک ہیں۔

Marfat.com

۳۔ **حقیقت عرفیہ:** لفظ کا جو مفہوم عرف عام میں متعین کیا گیا ہو، یا لفظ کو اس مفہوم میں استعمال کیا جائے جس مفہوم میں وہ عرف میں استعمال ہونے لگا ہو، جیسے لفظ سیارۃ عربی میں قافلے کو کہا جاتا ہے لیکن عرف میں نقل و حمل کی سواری کے لیے استعمال ہونے لگا۔

عرف کی اقسام

عرف کی دو قسمیں ہیں: عرف عام۔ عرف خاص

عرف عام: وہ ہے جو تمام لوگوں میں پھیلا ہوا ہو۔ جیسے دابۃ عربی لغت میں ہر اس جانور کے لیے استعمال ہوتا ہے جو زمین پر چلنے والا ہو لیکن عرف میں یہ چوپائے کے لیے مشہور ہو گیا ہے۔

عرف خاص: عرف خاص وہ عرف ہے جو کسی خاص طبقہ یا اہل فن میں متعارف ہو جیسے فقہا کے ہاں اجماع، استحسان، قیاس وغیرہ یا فعل، فاعل وغیرہ نحویوں کی اصطلاح میں۔ لفظ کا حقیقی معنیٰ یا تو مفصل ہو گا یا مجمل۔ پھر مفصل یا تو محتمل ہو گا یا غیر محتمل۔ ہر محتمل کی کئی صورتیں ہیں۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ واضح الدلالہ اور غیر واضح الدلالہ لفظ کی تمام اقسام دراصل حقیقت ہی کی مختلف تقسیمات ہیں۔

حقیقت کا حکم

اس کا حکم یہ ہے کہ لفظ کا جو معنیٰ ثابت ہو گا اس پر عمل کیا جائے گا اور حتی الامکان حقیقت پر ہی عمل کیا جائے گا خواہ وہ حقیقت لغویہ ہو یا حقیقت شرعیہ یا حقیقت عرفیہ، بلاضرورت حقیقت کو ترک کر کے مجاز کی طرف رجوع نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے ﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ [بنی اسرائیل ۱۷: ۳۳] (اور کسی جان کو جسے مارنا اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے ہلاک نہ کرو مگر حق کے ساتھ)۔ قتل کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کی روح کو بدن سے الگ کر دیا جائے، لہٰذا اس آیت کی رو سے اس کا ارتکاب جائز نہیں مثلاً اگر کسی نے عامر کے بیٹے کے لیے وصیت کی تو یہ وصیت ولد عامر کے حق میں ہو گی۔ ولد کا لفظ حقیقی

Marfat.com

معنٰی میں صلبی اولاد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا وصیت پوتے (ولد الولد) کے حق میں نہیں ہوگی، اگرچہ پوتے کو بھی ولد کہا جاتا ہے لیکن ولد کا لفظ صلبی ولد کے لیے حقیقت ہے اور پوتے کے لیے مجاز ہے۔ لہٰذا لفظ کو حقیقت پر محمول کیا جائے گا نہ کہ مجاز پر، جب حقیقت پر عمل ممکن ہو تو مجاز ساقط ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ مجاز حقیقت کے قائم مقام ہوتا ہے۔ جب اصل پر عمل ممکن ہو تو مجاز کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا۔ مجاز پر اس صورت میں عمل کیا جائے گا جب حقیقت پر عمل کرنے میں مشکل پیش آ رہی ہو اور مجازی معنٰی مراد لینے کے لیے مناسب اور معقول وجہ موجود ہو۔

فقہا نے حقیقت کی ایک اور بھی تقسیم کی ہے، متعذرہ، مہجورہ اور مستعملہ۔

۱۔ **حقیقت متعذرہ:** وہ ہے جہاں حقیقی مفہوم مراد لینا ممکن نہ ہو جیسے ﴿وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ﴾ [یوسف ۱۲: ۸۲] (بستی سے پوچھ لیجیے)۔ آیت مبارکہ میں قریہ سے مراد اہل القریہ ہیں۔ یا مثلاً کوئی شخص کہے لا آكل من هذه الشجرة (میں اس درخت کو نہیں چکھوں گا) وغیرہ۔ یہ اہل زبان کا اسلوب ہے کہ وہ اس قسم کے جملوں میں حقیقی معنٰی ترک کر کے مجازی معنٰی مراد لیتے ہیں۔ اس دوسری مثال میں درخت کا چکھنا ممکن نہیں البتہ درخت پر جو کچھ لگا ہے وہ یہاں مجازاً مراد ہے۔

۲۔ **حقیقت مہجورہ:** وہ ہے کہ حقیقی مفہوم ناممکن تو نہیں لیکن لفظ کا حقیقی مفہوم متروک ہو چکا ہوتا ہے۔ جیسے کفارہ ظہار میں ہے تحرير رقبة (گردن آزاد کرنا)۔ یہاں رقبة کا معنٰی گردن متروک ہے، رقبة سے مراد مکمل غلام ہے۔ یا مثلاً کسی نے قسم کھائی کہ والله لا أضع قدمي في دار فلان (بخدا میں فلاں کے گھر قدم نہیں رکھوں گا)۔ یہاں وضع قدم متروک ہے اور مجازی مفہوم یعنی کسی کے گھر جانا مراد ہے۔ لہٰذا اگر کسی کے گھر میں قدم

Marfat.com

رکھے بغیر داخل ہو جائے تو بھی حانث ہو گا۔ ان دونوں مذکورہ صورتوں میں مجازی معنٰی مراد لیے جائیں گے۔ اس لیے کہ حقیقی معنٰی مراد لینا یا ممکن نہیں یا معاشرے میں متروک ہے۔

۳۔ **حقیقت مستعملہ:** یہ ہے کہ لفظ کو اپنے حقیقی معنٰی میں استعمال کیا جائے، پھر حقیقت مستعملہ کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ لفظ کے حقیقی معنٰی تو موجود ہوں مگر اس کے مقابل مجاز متعارف بھی ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے مقابل مجاز متعارف نہ ہو، دوسرے الفاظ میں وہ حقیقت جس کے مقابل مجاز متعارف نہ ہو وہاں بالاتفاق حقیقی معنٰی مراد لیے جائیں گے۔ اگر پہلی صورت ہو یعنی لفظ اپنے حقیقی معنٰی میں استعمال ہوا ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ مجاز متعارف بھی موجود ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حقیقت پر عمل اولیٰ ہے۔ مثلاً اگر کوئی قسم کھائے: واللہ لا آکل من هذه الحنطة، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عین گندم کھانے سے حانث (قسم کو توڑنے والا) ہو گا۔ اگر گندم کی بنی ہوئی اشیا مثلاً روٹی وغیرہ کھالے تو حانث نہیں ہو گا۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مجاز متعارف پر عمل بہتر ہے۔ لہٰذا یہ قسم کھانے والا گندم کھانے سے حانث نہیں ہو گا۔ یہ اس صورت میں ہو گا جب قسم کھانے والے نے کوئی نیت نہ کی ہو۔ اگر نیت کی تھی مثلاً اس کی نیت یہ تھی کہ وہ صرف گندم نہیں کھائے گا تو گندم ہی مراد ہو گی اور اگر نیت یہ تھی کہ گندم کی بنی ہوئی چیز نہیں کھائے گا تو اس پر اطلاق ہو گا۔

مجاز

جب لفظ اپنے اس حقیقی معنٰی میں استعمال نہ ہو سکے جس کے لیے وہ وضع کیا گیا ہے بلکہ غیر حقیقی معنٰی میں کسی مناسبت کی وجہ سے استعمال کیا گیا ہو تو اسے مجاز کہتے ہیں۔ جیسے لفظ أسد بول کر بہادر انسان مراد لینا، یا بدر بول کر خوبصورت انسان مراد لینا، یا ثعلب کہہ کر مخادع (دھوکہ باز) اور ماکر (مکار، چال باز) مراد لینا۔

Marfat.com

مجازی معنیٰ مراد لینے کے لیے چند شرطیں ضروری ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ حقیقی اور مجازی معنیٰ میں باہم مناسبت اور تعلق موجود ہو۔

۲۔ دوسرے حقیقی معنیٰ چھوڑ کر مجازی معنیٰ مراد لینے کے لیے کوئی دلیل اور قرینہ موجود ہو۔

مجازی معنیٰ کی چار صورتیں ہیں:

استعارہ۔ تقدیم، تاخیر زیادتی اور کمی، بعض علماے ظاہریہ کا موقف ہے کہ قرآن میں مجاز نہیں ہے کیونکہ مجاز کی طرف متکلم اس وقت آتا ہے، جب حقیقت مراد لینا اس کے لیے مشکل ہو جائے اور حق تعالیٰ اس سے مبرا ہے لیکن واقع یہ ہے کہ مجاز کا استعمال حقیقت ممکن ہونے کے باوجود کئی اور مقاصد کے لیے کیا جاتا ہے اور قرآن میں مجاز کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ امام عزالدین بن عبدالسلام نے مجاز القرآن پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔

۳۔ عرف وعادت میں حقیقی معنیٰ کا استعمال باقی نہ رہا ہو۔

۴۔ انداز کلام سے ظاہر ہو کہ حقیقت مراد نہیں ہے۔ مثلاً قرآن مجید کی آیت ہے: ﴿فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الکہف۱۸: ۲۹] (جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے) کلام کا انداز یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہاں کفر اختیار کرنے سے زجر و توبیخ مراد ہے حکم مراد نہیں ہے۔

۵۔ متکلم کی صرف حالت سے ظاہر ہو کہ یہاں حقیقی معنیٰ مراد نہیں ہے جیسے اللھم اغفرلي (اے اللہ مجھے بخش دے) اللہ کو بندہ حکم نہیں دے سکتا وہ خود اللہ کا محتاج ہے لہٰذا یہاں حکم مراد نہیں بلکہ درخواست وسوال مراد ہے۔

۶۔ محل کلام سے ظاہر ہو کہ یہاں مجازی معنیٰ مراد ہیں۔ مثال: إنما الأعمال بالنيات (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے)۔ اس حدیث کا حقیقی معنیٰ یہ ہے کہ نیت کے بغیر اعمال کا وجود نہیں لیکن یہ خلاف واقعہ ہے اور محل کلام بھی اس کی اجازت نہیں دیتا۔ بہت سے کام

Marfat.com

بغیر نیت کے ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا یہاں مجازی معنیٰ مراد ہوں گے کہ اعمال کے ثواب کا حکم نیتوں پر ہے۔

مجاز کے بارے میں علمائے اصول نے یہ اصول اپنائے ہیں کہ کیا مجاز بھی حقیقت کی طرح اپنے معنیٰ کے لیے موضوع ہوتا ہے یا اس کی حیثیت اپنے وضعی (حقیقی) معنیٰ سے عدول (ہٹ جانے) کی ہے۔ سمرقندی نے اس کا خوبصورت جواب یہ دیا ہے کہ حقیقت وضع اصلی ہوتی ہے اور مجاز وضع ظاہری۔[1]

مجاز کا حکم

جب کوئی مناسب قرینہ موجود ہو اور اس کی بنا پر حقیقی معنیٰ ترک کر دیے جائیں تو پھر مجازی معنیٰ مراد لیے جائیں گے اور مجازی معنیٰ پر ہی عمل کیا جائے گا، جیسے ﴿أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ﴾ [النساء ۴: ۴۳] (تیمم کرے جو شخص پست زمین سے (بیت الخلا) سے ہو کر آئے)۔ یہاں الغائط کے مجازی معنیٰ مراد ہیں۔ حقیقی معنیٰ یعنی گہری یا پست زمین مراد نہیں، یہاں الغائط سے مراد الحدث الاصغر یعنی بے وضو ہونا ہے۔ اگر کوئی فرد نماز پڑھنا چاہتا ہے اور اسے پانی میسر نہ ہو تو وہ حدث اصغر کے بعد تیمم کر سکتا ہے۔ اسی طرح ﴿أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ﴾ ملامست سے مجازی معنیٰ جماع مراد ہے، لہٰذا حقیقی معنیٰ صرف ہاتھ لگانا اس جگہ متروک ہو گا۔

جب کوئی لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے یا تو حقیقی معنیٰ مراد ہوتا ہے یا مجازی، بیک وقت دونوں معانی مراد نہیں ہو سکتے۔ مثلاً اگر کوئی کہے: لا تقتل الأسد یہاں حقیقی معنیٰ ہی مراد ہوں گے اور درندہ جسے اسد کہا جاتا ہے وہی مراد ہو گا۔ اگر کسی قرینہ سے بہادر آدمی متعین ہو جائے تو پھر وہی مراد ہو گا اور حقیقی معنیٰ متروک ہو جائیں گے (یہاں اس بات کی وضاحت

۱۔ میزان الاصول، ص ۳۸۲

Marfat.com

ضروری ہے کہ علمائے اصول فقہ کے نزدیک استعارہ اور مجاز مترادف ہیں جبکہ اہل ادب ان دونوں میں فرق کرتے ہیں)۔

البتہ اس صورت میں دونوں معنیٰ مراد ہو سکتے ہیں جسے فقہا عموم مجاز سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً لفظ ام حقیقی ماں اور نانی یا دادی کے لیے استعمال کیا جائے۔ یا مثلاً کسی شخص نے قسم کھائی کہ لا يضع القدم في دار فلان، فلاں کے گھر قدم نہیں رکھے گا یہاں قدم رکھنے سے مراد گھر میں داخل ہونا ہے، لہٰذا اگر یہ شخص گھر میں داخل ہوا، خواہ ننگے پاؤں داخل ہو یا جوتے پہن کر دونوں صورتوں میں حانث ہو گا۔ اس صورت میں وہ عموم مجاز کی وجہ سے حانث ہو گا نہ کہ حقیقت و مجاز کو جمع کرنے کی وجہ سے۔

صریح

صریح ایسا لفظ ہے جو اپنے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے اور اس کے معنیٰ ظاہر ہوتے ہیں، لفظ جونہی منہ سے نکلتا ہے اس کا مفہوم فوراً سمجھ میں آجاتا ہے۔ اس کی تعریف آسان الفاظ میں اس طرح کی جاسکتی ہے کہ صریح وہ لفظ ہے جو اپنے معنیٰ پر واضح دلالت کرے۔ اس کا اطلاق حقیقت اور مجاز دونوں پر ہوتا ہے۔ حقیقت کی مثال یہ ہے: أنت طالق یہ لفظ ازالۂ نکاح میں صریح ہے۔ مجاز کی مثال یہ ہے: واسأل القرية یا والله لا آكل من هذه الشجرة یہ جملے بھی اپنے مفہوم کی ادائگی میں واضح ہیں۔

صریح کا حکم

صریح کا حکم یہ ہے کہ اس کے مدلول پر عمل واجب ہے، اس میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی، اس لیے کہ جب الفاظ صریح ہوتے ہیں تو پھر نیت کا اعتبار نہیں ہوتا۔ لہٰذا جب کوئی فرد اپنی بیوی سے کہے أنت طالق یا طلقتكِ تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ خواہ اس نے طلاق کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ اس لیے کہ أنت طالق طلاق کے معنیٰ میں واضح و ظاہر ہے۔ یا

Marfat.com

اگر کوئی سبحان اللہ کہنا چاہتا تھا تو اس کی زبان پر أنت طالق (تجھے طلاق ہے) کا جملہ آگیا تو طلاق کا ہی فیصلہ ہو گا کیونکہ فیصلہ ظاہر بات پر کیا جائے گا نیتوں پر فیصلے کی قدرت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اس طرح لفظ بیع فروخت کے معنیٰ میں صریح ہے۔ لہٰذا اگر کوئی فرد اپنے سامان کو یہ کہہ کر فروخت کردے کہ بعت (میں نے فروخت کیا) اور مشتری اسے قبول کرلے تو بیع منعقد ہو جائے گی (اب اگر بعد میں بائع یہ کہے کہ بیع سے میری نیت فروخت کرنے کی نہیں تھی تو اس کے اس قول کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ قضاءً یہ طلاق اور بیع نافذ ہوں گی۔ اسی بنیاد پر حنفیہ کا یہ کہنا ہے کہ تیمم سے طہارت حاصل ہوتی ہے اس لیے کہ قرآن کریم میں تیمم کے بارے میں ہے: ﴿وَلَٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ﴾ [المائدة ۵: ۶] (لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں پاک کرنا چاہتے ہیں)۔ اس آیت میں لیطھرکم لفظ صریح ہے۔ گویا تیمم سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے۔ جب پاکی حاصل ہوگئی تو پھر تیمم سے متعدد نمازیں بھی پڑھی جاسکتی ہیں اور وضو کی طرح تیمم بھی قبل از وقت کیا جاسکتا ہے۔

کنایہ

کنایہ وہ لفظ ہے جس کا معنیٰ واضح نہ ہو، یا معنیٰ پوشیدہ ہو اور کسی قرینہ اور دلیل کے بغیر سمجھ میں نہ آئے۔ اس کا اطلاق بھی حقیقت و مجاز دونوں پر ہوتا ہے، مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے: أنت حرام (تم حرام یا محترم ہو)، یا أنت بائن (تم مجھ سے علیحدہ ہو)، یا حبلك علی غاربك (تمہاری لگام تمہارے ہاتھ میں ہے)۔ سمرقندی نے کنایہ کی تعریف یہ کی ہے: وأن يذكر لفظ دال على الشيء يراد به غير المذكور لملازمة بينهما ومجاورة

Marfat.com

خاصۃ یعنی کنایہ یہ ہے کہ ایک لفظ بولا جائے جس کا معنیٰ کچھ اور ہو مگر اس سے مختلف معنیٰ مراد لیا جائے کیونکہ ان دونوں معانی کے درمیان ایک لازمی تعلق موجود ہوتا ہے۔*

کنایہ کا حکم

اس سے اس وقت حکم ثابت ہوگا جب نیت ہو یا دلالت حال سے مفہوم متعین ہو جائے کیونکہ کنایہ میں مختلف معانی کا احتمال ہوتا ہے۔ لہٰذا کسی ایک مفہوم کا تعین کرنے کے لیے یا شک و تردد کو دور کرنے کے لیے یا تو نیت موجود ہو یا کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جس سے شک و تردد دور ہو جائے۔ مثلاً: أنت بائن کہنے والا اگر خود وضاحت کر دیتا ہے کہ اس سے مراد طلاق ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ یا دلالتِ حال سے یہ مفہوم متعین ہو جائے۔ مثلاً شوہر اور بیوی میں لڑائی جھگڑا ہو رہا تھا اور طلاق کا بار بار ذکر آ رہا تھا اس وقت اس نے یہ الفاظ ادا کیے تو دلالتِ حال سے اس کا مفہوم متعین ہو جائے گا اور أنت بائن سے طلاق مراد لی جائے گی۔

یہاں اس بات کی وضاحت کی ضرورت ہے کہ حدود اور وہ سخت سزائیں جو شبہات کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ الفاظ کنایات سے ثابت نہیں ہوتیں، اس لیے کہ کنایات کا مفہوم واضح نہیں ہوتا۔

کنایہ میں صریح کی نسبت کمی پائی جاتی ہے، جبکہ صریح کلام میں اصل ہے۔ لہٰذا شبہات سے جو احکام ثابت نہیں ہوتے، وہ کنایہ سے بھی ثابت نہیں ہوں گے۔ اگر کسی نے زنا یا چوری وغیرہ کا اقرار کنایہ کے الفاظ سے کیا تو اس پر حد واجب نہیں ہوگی۔ اشارہ سے حدود میں سے کسی جرم کا اقرار کیا تو اس پر تب بھی حد واجب نہیں ہوگی کیونکہ اشارہ یا کنایہ سے اقرار صریح کا قائم مقام نہیں ہوتا۔

---

* میزان ۳۹۴

Marfat.com

Marfat.com

فصل سوئم

معنیٰ پر دلالت کے اعتبار سے لفظ کی اقسام

متقابلات

فقہا کے نزدیک لفظ کی بحیثیت بیان دو قسمیں ہیں: (۱) واضح اور (۲) مبہم۔ پھر واضح کی چار قسمیں ہیں: ظاہر۔ نص۔ مفسر اور محکم۔ اسی طرح مبہم کی بھی چار قسمیں ہیں: خفی۔ مشکل۔ مجمل اور متشابہ۔ ظاہر کے مقابل خفی ہے۔ نص کے مقابل مشکل ہے، مفسر کے مقابل مجمل ہے اور محکم کے مقابل متشابہ ہے۔

واضح الدلالۃ

ظاہر

ظاہر وہ کلام ہے جس کا مفہوم الفاظ کے کانوں میں پڑنے کے ساتھ ہی سمجھ میں آجائے، اس کے معنیٰ کو سمجھنے کے لیے کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہ ہو اور وہ مفہوم کلام کے سیاق و سباق سے مقصود نہ ہو۔ مثلاً: ﴿وَأَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرۃ: ۲: ۲۷۵] (اللہ تعالیٰ نے کاروبار کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے)۔

بیع کے حلال اور ربا کے حرام ہونے میں یہ آیت مبارکہ ظاہر ہے، محض سماعت سے فوری طور پر یہ مفہوم ذہن میں آتا ہے کہ لین دین، کاروبار، خرید و فروخت جائز ہے اور سود حرام ہے۔ حالانکہ یہ کلام بیع اور سود کی حلت و حرمت کے لیے نہیں لایا گیا بلکہ بیع اور سود کے درمیان مماثلت کی تردید کے لیے لایا گیا ہے، اسی طرح: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ [الحشر ۵۹: ۷] (جس چیز کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

دیں اس کا کرنا ضروری ہے اور جس چیز سے رسول کریم ﷺ منع کر دیں اس سے باز رہنا واجب ہے)۔ اس آیت کو پڑھنے والا فوراً اس بات کو سمجھ لیتا ہے کہ اطاعتِ رسول واجب ہے۔ حالانکہ اصل میں یہ آیت فیء یعنی وہ مال جو دشمنوں سے حاصل ہو، کی تقسیم کے سلسلے میں ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ جو تمہیں دیں اس کو لے لو اور جو نہ دیں اس کو نہ لو اسی طرح: ﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً﴾ [النساء۴: ۳] (نکاح کرو ان عورتوں سے جو تمہیں پسند ہوں، دو دو، تین تین اور چار چار سے، اور اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ تم عدل و انصاف نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی پر اکتفا کرو)۔

جواز نکاح یا نکاح کے مباح ہونے میں یہ آیت ظاہر ہے، قاری کے ذہن میں فوری طور پر یہ مفہوم آجاتا ہے کہ نکاح ایک مباح اور پسندیدہ عمل ہے۔ حالانکہ آیت کے سیاق میں یہ معنیٰ مقصود نہیں، اس آیت کا مقصد نزول چار بیویوں تک شادی کی اجازت دینا ہے۔

ظاہر کا حکم

ظاہر کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا واجب ہے لیکن اس میں تخصیص تاویل اور نسخ کا احتمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر عام ہو تو اس میں تخصیص کا احتمال ہوتا ہے اگر مطلق ہو تو کسی قید یا شرط کا احتمال ہوتا ہے اور اگر حقیقت ہو تو مجاز کا احتمال رہتا ہے۔ اس طرح تاویل اور نسخ کا احتمال دونوں صورتوں میں موجود رہتا ہے۔

جب تک تاویل کے لیے دلیل موجود نہ ہو، ظاہر پر عمل کرنا واجب ہے اس لیے کہ اصل یہی ہے کہ لفظ کا جو ظاہری مفہوم ہے اسی پر عمل کیا جائے، البتہ اگر کوئی معقول دلیل موجود ہو تو تاویل کی جا سکتی ہے۔ مثلاً: ﴿وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرۃ۲: ۲۷۵] اس آیت سے بظاہر بیع کا عمومی طور پر حلال ہونا ثابت ہے۔ اس عموم میں ہر چیز داخل ہے

Marfat.com

لیکن دیگر دلائل کی بنیاد پر کئی چیزوں کی تخصیص کر دی گئی۔ مثلاً خمر کی بیع جائز نہیں، اسی طرح کسی انسان کو فروخت کر دینا جائز نہیں۔

علمائے اصول فقہ کے درمیان اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا ظاہر یقین کا فائدہ دیتا ہے یا ظن کا۔ اکثر شافعیہ، بعض معتزلہ اور حنفیہ میں سے ماوراء النہر کے علما کی رائے یہ ہے کہ ظاہر کی دلالت اپنے معنیٰ پر ظنی ہے۔ جبکہ علمائے حنفیہ کی اکثریت کا موقف یہ ہے کہ ظاہر اپنے معنیٰ پر یقینی اور قطعی دلالت کا فائدہ دیتا ہے، جیسا کہ حنفی علمائے اصول کرخی، جصاص، ابوزید دبوسی، بزدوی، سرخسی اور صدر الشریعہ وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے۔

نص

وہ کلام ہے جس کو بیان کرنے کے لیے متکلم وہ عبارت استعمال کرتا ہے جس کا سیاق وسباق نص کے مفہوم کو زیادہ واضح کرتا ہے۔ آسان الفاظ میں اس کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ وہ مفہوم جو سیاق کلام کا مقصود اصلی ہو، جسے متکلم واضح کرنا چاہتا ہے اور لفظ اور کلام کی دلالت فی نفسہ اسی معنیٰ پر ہو، اس طرح کہ کلام سنتے ہی وہ مفہوم ذہن میں آجائے اور کلام کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے کسی قرینہ کی ضرورت نہ ہو، اصولیین کی اصطلاح میں یہ نص کہلاتا ہے۔ اس کی مثال یہ آیت ہے: ﴿وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرۃ ۲: ۲۷۵]

یہ آیت بیع کے حلال اور ربا کے حرام ہونے کے مسئلہ میں ظاہر ہے لیکن اس بات کو بیان کرنے میں کہ بیع اور ربا میں فرق ہے، نص ہے۔ اس لیے کہ سیاق کلام سے مقصود اسی فرق کو ظاہر کرنا ہے۔ مشرکین کا اعتراض یہ تھا کہ بیع اور ربا دونوں ایک جیسی چیز ہیں۔ جب بیع (خرید و فروخت) جائز ہے تو پھر ربا حرام کیوں ہے۔ اس کے جواب میں قرآن کریم نے کہا کہ دونوں ایک نہیں ہیں بلکہ فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ بیع حلال ہے اور ربا حرام ہے۔

Marfat.com

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً﴾ [البقرۃ ۲: ۲۳۶] (اگر تم عورتوں کو ان کے پاس جانے سے یا ان کا مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دے دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے)۔ یہ آیت اس خاتون کو طلاق دینے کے بارے میں ہے جس کا مہر مقرر نہ ہوا ہو یا وہ خاتون جس کے ساتھ ابھی تک صحبت نہ کی گئی ہو، نص ہے۔ لیکن مرد کو اختیار طلاق میں یہ آیت ظاہر ہے۔

نص اور ظاہر میں فرق

۱۔ اس بارے میں حنفی علمائے اصول کا اتفاق ہے کہ نص کی دلالت اپنے معنیٰ پر ظاہر کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے۔

۲۔ نص کو ظاہر پر یہ فوقیت اور امتیاز حاصل ہے کہ یہ عبارت اور سیاق کلام کا مقصود ہوتی ہے جبکہ ظاہر کی یہ حیثیت نہیں۔

۳۔ نص اور ظاہر میں تیسرا فرق یہ ہے کہ اگرچہ دونوں میں تخصیص، تاویل اور نسخ کا احتمال پایا جاتا ہے، لیکن ظاہر کے مقابلے میں نص کے اندر یہ احتمال کم ہوتا ہے اور نص کی تادیل کے لیے زیادہ قوی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔

نص کا حکم

ظاہر کی طرح نص سے ثابت ہونے والے حکم پر عمل کرنا بھی واجب ہے، تاہم نسخ، تاویل اور تخصیص کا احتمال یہاں بھی موجود ہوتا ہے، البتہ ظاہر کی بنسبت چونکہ نص کے معنیٰ میں زیادہ وضاحت ہوتی ہے اس لیے اس میں احتمال بھی کم ہوتا ہے ظاہر اور نص میں اگر تعارض واقع ہو جائے تو نص کو ترجیح حاصل ہوگی۔ کیونکہ نص کی دلالت زیادہ قوی اور زیادہ واضح اور مقصود کلام ہے۔ ظاہر کی طرح نص عام بھی ہو سکتی ہے۔ اگر کسی نص کا شان

Marfat.com

نزول یا سبب ورود کوئی خاص واقعہ ہو تو نص کا حکم اس واقعہ تک محدود نہیں ہو گا بلکہ اعتبار اس کے عموم اور معنیٰ کا ہو گا۔

مفسر

وہ کلام ہے جس میں متکلم نے وضاحت اور تفصیل کے ساتھ اپنی مراد بیان کر دی ہو اس طرح کہ اس میں کسی تاویل یا تخصیص کا احتمال باقی نہ رہے، مثلاً: ﴿فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ﴾ [الحجر ۱۵: ۳۰] (فرشتے سب کے سب سجدے میں گر گئے)۔ اس آیت میں الْمَلَائِكَةُ جمع کا صیغہ ہے۔ اس کے عموم میں سب ملائکہ داخل ہیں لیکن اس میں تخصیص کا احتمال باقی تھا، جمع کا اطلاق کم از کم تین افراد پر ہوتا ہے۔ بعض اوقات فردِ واحد پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، جیسے: ﴿إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ﴾ یہاں الملائکۃ سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ لہٰذا مثال مذکور میں کلھم کہہ کر تخصیص کے احتمال کو ختم کر دیا۔ کل عموم کے لیے آتا ہے، اس سے الملائکۃ کے عموم کی تائید ہو گئی اور تخصیص کا احتمال ختم ہو گیا، اس لیے کہ لفظ عام کے بعد کل کے استعمال کرنے کا منشا صرف احتمالِ تخصیص کو ختم کرنا ہوتا ہے۔ مفسر کی ایک مثال یہ آیت مبارکہ ہے: ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً﴾ [التوبۃ ۹: ۳۶] (تمام مشرکین کے خلاف جنگ کرو)۔ اس آیت میں الْمُشْرِكِينَ جمع کا صیغہ ہے اور عام ہے۔ لہٰذا یہ لفظ تمام مشرکین کے لیے ہے لیکن اس میں تخصیص کا احتمال تھا۔ لفظ كَافَّةً نے اس احتمال کو ختم کر دیا۔ اسی طرح ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً﴾ [النور ۲۴: ۴] (جو لوگ پاک دامن خواتین پر تہمت لگائیں اور پھر چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو انہیں اسی کوڑے لگاؤ)۔ اس آیت میں ثَمَانِينَ جَلْدَةً ایسا

Marfat.com

عدد معین ہے جس میں کمی بیشی کا احتمال نہیں ہے، لہٰذا یہ بھی مفسر ہے۔ ﴿ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا﴾ [الاحزاب ۳۳: ۴۹] (پھر تم ان عورتوں کو نکاح کے بعد چھونے سے قبل ہی طلاق دے دو تو تمہیں کوئی اختیار نہیں کہ ان سے عدت پوری کراؤ)۔

اس آیت میں لفظ تَعْتَدُّونَهَا نے عدت میں تاویل کے احتمال کو ختم کر دیا۔ جس طرح اس مطلقہ کو عدت گزارنا ضروری ہے جس سے خاوند کی قربت ہو چکی ہو۔ ثلاثۃ قروء سے ایسی مطلقہ کے بارے میں بھی عدت کا احتمال ہو سکتا تھا، جس سے خاوند کی قربت نہ ہوئی ہو۔ لیکن اس پورے کلام ﴿فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا﴾ نے تاویل کے احتمال کو ختم کر دیا۔

قرآن کریم میں بسا اوقات مجمل الفاظ آئے ہیں جن کی قطعی تفصیل سنت میں موجود ہوتی ہے، اور وہ سنت قرآن کے اجمال کو ختم کر دیتی ہے، جب سنت کے ذریعہ اجمال ختم ہو جائے تو اس حکم کو بھی مفسر شمار کیا جائے گا۔ جیسے قرآن کریم میں ہے: ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾ اقامتِ صلاۃ اور ایتائے زکاۃ کی تفصیل سنتِ رسول میں موجود ہے۔ ان تفصیلات کی روشنی میں اقامتِ صلاۃ اور ایتائے زکاۃ کی ساری تفسیر و تشریح متعین ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اب انہیں مفسر شمار کیا جائے گا۔

احکام فقہ میں مفسر کی مثال یہ ہے: لخالد عليَّ ألف من ثمن هذا الفرس، یہ اعتراف نص ہے، لیکن اس میں تفسیر کا احتمال تھا، من ثمن هذا الفرس کے الفاظ نے مراد و مفہوم کو بالکل واضح کر دیا۔ اس تفسیر سے یہ واضح ہو گیا کہ اعتراف کرنے والے کے ذمہ ایک ہزار کی رقم گھوڑے کی قیمت کے طور پر لازم ہے۔ لہٰذا ایک ہزار وصول کرنے سے قبل گھوڑا اقرار کرنے والے کے حوالے کرنا ضروری ہو گا۔

Marfat.com

مفسر کا حکم

مفسر کا حکم یہ ہے کہ اس پر اسی طرح عمل کرنا واجب ہے جس طرح اس کی تفسیر و تشریح بیان کی گئی ہے۔ ظاہر اور نص کے مقابلے میں مفسر کی دلالت زیادہ واضح اور قوی ہوتی ہے، اس میں تاویل اور تخصیص کا احتمال نہیں پایا جاتا، مثلاً قرآن مجید میں ہے: ﴿فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ إِلَّا إِبْلِيسَ﴾ [ص ۳۸: ۷۳- ۷۴] (ابلیس کے سوا سب فرشتوں نے سجدہ کیا)۔ اس آیت میں لفظ سَجَدَ (سجدہ کیا) فرشتوں کے سجدہ کرنے میں ظاہر ہے اور حضرت آدمؑ کی تعظیم میں نص ہے۔ لیکن اس میں تخصیص کا احتمال ہے کہ بعض فرشتوں نے سجدہ کیا ہو اور بعض نے نہ کیا ہو۔ اسی طرح اس میں تاویل کا بھی احتمال ہے کہ فرشتوں نے علیحدہ علیحدہ سجدہ کیا ہو یا اجتماعی سجدہ کیا ہو لیکن كُلُّهُمْ سے تخصیص کا احتمال ختم ہو گیا اور أَجْمَعُونَ سے تاویل کا احتمال ختم ہو گیا، اس طرح یہ کلام مفسر بن گیا۔ اگر کبھی مفسر کا تعارض نص یا ظاہر کے ساتھ ہو جائے تو مفسر کو ترجیح حاصل ہو گی کیونکہ نص اور ظاہر کے مقابلے میں مفسر ہر قسم کے احتمال سے محفوظ ہے، اگرچہ مفسر میں نسخ اور تبدیلی کا امکان موجود ہوتا ہے، لیکن اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سلسلہ وحی ختم ہو چکا ہے، لہٰذا کسی قسم کے نسخ و تبدیلی کا احتمال بھی باقی نہیں رہا۔

محکم

محکم وہ کلام ہے جس میں مفسر سے زیادہ قوت و وضاحت موجود ہو اور نسخ کا احتمال بھی نہ پایا جائے، مفسر اور محکم میں فرق یہ ہے کہ محکم میں مفسر کی بنسبت زیادہ قوت اور زیادہ زور بیان ہوتا ہے۔ جہاں تک وضاحت و تفسیر کا تعلق ہے تو اس کے جتنے مدارج و اسالیب ہیں وہ مفسر میں پائے جاتے ہیں۔ اس میں جب مزید قوت اور تاکید پیدا کر دی جائے تو وہ محکم کہلاتا ہے اور یہ قوت و تاکید اس میں یوں پیدا ہوتی ہے کہ نسخ کا احتمال باقی نہیں رہتا۔

Marfat.com

محکم کی مثال: ﴿أَنَّ اللهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ [البقرۃ ۲: ۲۳۱] (یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے)۔ اللهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ مفسر ہے۔ اس کے شروع میں لفظ أَنَّ سے مزید قوت و تاکید پیدا ہو گئی ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی آیت ہے: ﴿إِنَّ اللهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا﴾ [یونس ۱۰: ۴۴] (اللہ تعالیٰ انسانوں پر ذرہ بھی ظلم نہیں کرتا)۔ یہاں بھی لفظ إِنَّ کے ذریعہ مزید قوت پیدا کر کے اس آیت کو محکم بنا دیا۔

کرخی نے محکم کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: ھو ما لا یحتمل الا وجھا واحدا یعنی محکم وہ لفظ ہے جس کے معنیٰ میں ایک سے زیادہ احتمال موجود نہ ہو اور اس کے مقابلے میں متشابہ وہ لفظ ہے جس کے معنیٰ میں ایک سے زیادہ احتمال پائے جائیں۔ اس اعتبار سے قرآن حکیم کے جن الفاظ میں ایک سے زیادہ وجوہ قراءت موجود ہیں ان میں وہ قراءت ترجیح پائے گی، جو اس لفظ کے صرف ایک ہی معنیٰ پر دلالت کرے۔

محکم کا حکم

تمام علمائے اصول کا اس بات پر اتفاق ہے کہ محکم اپنے معنیٰ پر ایسی واضح اور قوی دلالت کرتا ہے جو تاویل، تخصیص اور نسخ و تبدیل کے احتمال سے پاک ہوتی ہے۔ اس بنا پر محکم کو ظاہر، نص اور مفسر سب کے مقابلے میں یقینی ترجیح حاصل ہے، کیونکہ یہ ان سب کے مقابلے میں زیادہ واضح، زیادہ قوی اور زیادہ محفوظ ہے۔ محکم کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے مفہوم میں قطعی ہوتا ہے اور اس پر یقین رکھنا اور عمل کرنا واجب ہے۔

اس میں دین و شریعت کے اساسی اصول داخل ہوں گے مثلاً ایمان، عبادات وغیرہ اور وہ شرعی احکام جن میں ہمیشگی ہے، جیسے پاک دامن عورتوں کو تہمت لگانے والے کے بارے میں فرمایا: ﴿وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا﴾ [النور ۲۴: ۴] (ان کی گواہی کبھی قبول نہ

Marfat.com

کرو)۔ جیسے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: الجهاد ماض منذ بعثني الله إلى أن يقاتل آخر أمتي الدجال * (جہاد باقی رہے گا جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنایا یہاں تک کہ میری امت کے آخیر میں آنے والے لوگوں کا دجال سے مقابلہ ہو)۔

مذکورہ چاروں قسمیں واضح الدلالۃ کلام کی ہیں۔ ان کے بالمقابل کلام غیر واضح الدلالۃ ہے۔ واضح الدلالۃ لفظ کی ان چاروں اقسام کی ترتیب پر علمائے اصول کا اتفاق ہے کہ سب سے اعلیٰ محکم ہے، اس سے کم مفسر، اس سے کم نص اور سب سے کم ظاہر۔ یہ ترتیب معنیٰ کے واضح اور قوی ہونے کے لحاظ سے بھی ہے اور تاویل، تخصیص یا نسخ کا احتمال پائے جانے کے لحاظ سے بھی ہے۔

ان چاروں اقسام کے باہمی فرق و امتیاز، تباین و تداخل اور تعارض و ترجیح کے بارے میں علمائے فقہ و اصول کی تمام آرا کا خلاصہ حسب ذیل بنیادی قواعد کی صورت میں سامنے آتا ہے:

۱۔ یہ چاروں اقسام اپنے معانی کے اندر پائی جانے والی قوت اور وضاحت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔

۲۔ معانی کی وضاحت اور قوت کا یہ فرق و اختلاف ان کے باہمی تعارض کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

۳۔ ان چاروں اقسام کے درمیان تعارض عام طور پر صوری اور ظاہری ہوتا ہے، حقیقی نہیں ہوتا۔

۴۔ جن دو اقسام میں تعارض پایا جائے اگر ان دونوں کا درجہ تعارض میں برابر محسوس ہو تو پھر اعلیٰ کو ادنی پر ترجیح حاصل ہوگی، لیکن اگر تعارض میں دونوں کی حقیقت برابر نہ ہو تو پھر حکم مختلف ہوگا۔

---

* ابوداؤد، کتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور، حدیث ۲۵۳۲

Marfat.com

غیر واضح الدلالۃ

وہ ہے جس کے معنیٰ میں خفا ہو اور وہ اپنے مفہوم پر بنفسہ دلالت نہ کرتا ہو بلکہ اسے مفہوم کو واضح کرنے میں کسی خارجی قرینے کا محتاج ہو۔ لفظ میں خفا کے اعتبار سے اس کی چار قسمیں ہیں:

ا۔ خفی

بظاہر لفظ اپنے مفہوم پر دلالت کرتا ہے لیکن اس کے بعض افراد پر معنیٰ کی تطبیق میں غموض و خفا ہوتا ہے اور بغیر تأمل اور غور و فکر کے وہ خفا زائل نہیں ہوتا۔ خفی کی تعریف اس طرح بھی کی جاسکتی ہے کہ خفی وہ لفظ ہے جس کا مفہوم صیغہ کے اعتبار سے واضح ہو لیکن کسی خارجی عارض کی بنا پر اس میں غموض یا خفا پیدا ہو گیا ہو، پھر کسی دلیل یا قرینہ سے یہ غموض دور ہو جائے۔ اس کی مثال یہ ہے: ﴿وَالسارق وَالسارقۃُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾ [المائدۃ ۵: ۳۸] (چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کا ہاتھ کاٹ دو)۔ عربی زبان میں سارق اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی دوسرے کا محفوظ مال خفیہ طریقے سے چرا لے۔ بظاہر اس میں وہ تمام افراد داخل ہیں جو غیر کا محفوظ مال خفیہ طریقے سے نکال لیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ طرّار (اچکا/ جیب کترا) جو جاگتے اور بیدار لوگوں کی جیب اپنی مہارت اور ہاتھ کی صفائی سے کاٹ لے تو کیا وہ بھی سارق کہلائے گا یا نہیں۔ عربی زبان میں جیب کترے کے لیے سارق کا لفظ تو نہیں بولا جاتا لیکن غور و فکر سے پتا چلتا ہے کہ سرقہ کا جو مفہوم ہے وہ اس میں بھی پایا جاتا ہے۔ جیب کترا لوگوں کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر ان کا محفوظ مال چرا لیتا ہے۔ لہٰذا اس پر سارق کا اطلاق ہونا چاہیے اور اسے قطع ید کی سزا ملنی چاہیے۔ طرّار کے لفظ میں جو خارجی دلیل ہے وہ یہ ہے کہ طرار بھی خفیہ طریقے سے مال محفوظ نکالتا ہے۔ لہٰذا یہ

Marfat.com

سارق کے مفہوم میں داخل ہے (اور جب سارق کے مفہوم میں داخل ہے تو اس پر حد سرقہ بھی جاری ہو گی)۔

اسی طرح لفظ نبّاش (کفن چور)، امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک نبّاش پر سرقہ کا مفہوم پوری طرح منطبق نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ قبرستان میں مردہ کا کفن محفوظ نہیں ہے۔ مردہ فرد کفن کی حفاظت نہیں کر سکتا نیز مردہ کا کفن بھی کوئی مال مرغوب نہیں ہے۔ لہٰذا کفن چور پر حد سرقہ جاری نہیں ہو گی، وہ مستحق تعزیر ہو گا نہ کہ مستحق حد۔

البتہ جمہور فقہا کہتے ہیں کہ لفظ السارق میں نبّاش داخل ہے۔ الگ نام ہونے کی وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سارق کا لفظ اس پر منطبق نہیں ہوتا جس طرح ایک جنس کے تحت مختلف انواع مختلف ناموں سے شامل جنس ہوتی ہیں۔ اسی طرح نباش بھی مختلف نام ہونے کے باوجود سارق کے مفہوم میں داخل ہے۔ ان کے نزدیک نباش طرّار کی طرح سارق کی ایک قسم ہے۔ جمہور فقہا کفن کو غیر محفوظ مال بھی ماننے کے لیے تیار نہیں۔ ان کے خیال میں یہ بات صحیح نہیں کہ قبر میں مردہ فرد کے جسم پر کفن محفوظ نہیں، اس لیے کہ ہر چیز کی حفاظت کا طریقہ اس کی قیمت و مالیت اور وصف کے اعتبار سے ہوتا ہے، لہٰذا کفن جیسی چیز کے لیے قبر ایک محفوظ جگہ ہے، ہیرے جواہرات کے لیے حرز اور ہو گا اور معمولی چیز کے لیے حرز بالکل مختلف ہو گا۔ جس طرح مویشی اور جانوروں کے لیے باڑھ لگا دینا حرز کے لیے کافی ہے یا گاڑی کو سڑک کے کنارے کھڑا کر کے مقفل کر دینا اس کی حفاظت کے لیے کافی ہے اسی طرح مردہ کو دفن کر کے قبر کو بند کر دینا بھی حفاظت کے لیے کافی ہے۔

کفن کے غیر مرغوب ہونے کی وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مال متقوم نہیں رہا، یا اس کی مالیت ختم ہو گئی۔ لہٰذا جمہور فقہا کے نزدیک نبّاش پر سارق کا اطلاق ہو گا اور اس پر حد سرقہ جاری ہو گی۔ (امام ابو یوسفؒ کی بھی یہی رائے ہے)۔

Marfat.com

خفی کی ایک اور مثال یہ حدیث ہے کہ لا یرث القاتل (قاتل وراثت سے محروم ہو گا)۔ اس حدیث میں لفظ القاتل، عام ہے اور قتل کی دونوں قسموں کو شامل ہے۔ قتل عمد کو بھی اور قتل خطا کو بھی۔ اس کی دلالت قتل عمد پر تو ظاہر و واضح ہے لیکن قتل خطا پر اس کی تطبیق میں خفا اور غموض ہے۔ اس لیے کہ وراثت سے محروم کرنا ایک قسم کی سزا ہے، عمد کی صورت میں مستحق عقوبت ہونا واضح ہے لیکن کیا قتل خطا کی صورت میں بھی وہ مستحق سزا ہو گا؟ اس مسئلہ میں بعض فقہا کی رائے یہ ہے کہ لفظ القاتل دونوں صورتوں کو مشتمل ہے، لہٰذا دونوں قسم کے قاتل وراثت سے محروم ہوں گے۔ ان فقہا کی دلیل یہ ہے کہ قتل خطا کا ارتکاب کرنے والے پر قاتل کا اطلاق ہوتا ہے، اس لیے کہ اس فرد نے احتیاط کرنے میں کوتاہی کی ہے، لہٰذا اس کوتاہی کی بنا پر اسے وراثت سے محروم کیا جائے گا۔ وراثت سے محرومی عقوبت قاصرہ ہے، عقوبت کاملہ نہیں ہے، لہٰذا عقوبت قاصرہ قتل خطا میں دی جا سکتی ہے۔ اس سزا میں قتل عمد اور قتل خطا دونوں یکساں ہیں۔ البتہ قصاص جو عقوبت کاملہ ہے وہ قتل خطا میں جاری نہیں ہو گا۔

بعض فقہا یہ رائے رکھتے ہیں کہ حدیث مذکور میں وارد لفظ القاتل قتل خطا کو شامل نہیں، اس لیے کہ اس صورت میں اس فرد کی جس سے قتل سرزد ہوا ہے کوئی بری نیت نہیں تھی۔ اس لیے کہ اس کا ارادہ قتل کرنے کا نہیں تھا، لہٰذا وہ شخص نہ عقوبت کاملہ یعنی قصاص کا مستحق ہے اور نہ ہی عقوبت قاصرہ یعنی وراثت سے محرومی کا مستحق ہے۔

خفی کا حکم

خفی کا حکم یہ ہے کہ اس کے معنٰی کی حقانیت پر پورا یقین رکھا جائے اور معنٰی کے واضح کرنے تک اس میں غور و فکر جاری رکھا جائے، غور و فکر اس وقت تک ضروری ہے جب تک وہ عارض جس کی وجہ سے خفا پیدا ہوا تھا دور نہ ہو جائے۔ یعنی لفظ کو خفی کے بعض افراد پر منطبق

Marfat.com

کرنے میں جو رکاوٹ تھی اسے دور کرنے کے لیے غور و فکر ضروری ہے، اگر کسی دلیل اور قرینہ کی وجہ سے وہ رکاوٹ دور ہو جائے تو پھر لفظ کا اطلاق ان افراد پر بھی ہو گا جن پر ابتداءً وقت محسوس ہو رہی تھی۔ معنیٰ کی تعیین میں ہر غور و فکر کا یہ عمل اجتہاد ہے، اور مجتہد ہی اس کی اہلیت رکھتا ہے۔

۲۔ مشکل

مشکل اس کلام کو کہا جاتا ہے جس میں متعدد معانی کا احتمال ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے سامع کو پتا نہیں چلتا کہ متکلم کی اصل مراد کیا ہے لہٰذا سامع کو ضرورت ہوتی ہے کہ وہ کلام میں اچھی طرح غور و فکر کرے اور یہ جاننے کی کوشش کرے کہ متکلم کی مراد کیا ہے۔ مشکل میں خفا کا سبب نفس لفظ اور صیغہ ہوتا ہے، یہ واضح نہیں ہوتا کہ صیغہ سے مراد کیا ہے، اس لیے اس صورت میں دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، ایک طلب دوسرے تأمل تاکہ خارجی قرینے کا پتا چلایا جاسکے اور اس قرینہ کی بنا پر لفظ کی مراد متعین کی جاسکے۔

خفی اور مشکل میں فرق یہ ہے کہ خفی کی صورت میں نفس لفظ اور صیغہ کی وجہ سے خفا نہیں ہوتا، بلکہ بعض افراد پر منطبق کرنے میں خفا ہوتا ہے جبکہ مشکل میں خفا کا سبب لفظ اور صیغہ ہی ہوتا ہے۔

مشکل میں سبب اشکال یا تو مشترک معانی ہو گا چاہے معانی کا یہ اشتراک اصل وضع میں پایا جاتا ہو یا کسی لفظ کے حقیقی اور مجازی معنیٰ میں استعمال کے باعث پیدا ہو گیا ہو، اشتراک معانی کی مثال ہے: ﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾[البقرۃ ۲: ۲۲۸]، اس آیت مبارکہ میں لفظ قروء مشترک ہے۔ طہر کے معنیٰ میں بھی آتا ہے اور حیض کے معنیٰ میں بھی، یہاں کسی ایک معنیٰ کا تعین کرنے کے لیے طلب و تأمل دونوں ضروری ہیں۔ جب تک قرائن اور سیاق و سباق سے کسی ایک معنیٰ کا تعین نہ ہو جائے اس وقت تک اشکال ختم نہیں ہوتا۔

Marfat.com

اسی طرح یہ آیت مبارکہ ﴿فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ [البقرۃ۲: ۲۲۳] لفظ أنی دو معنیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ایک کیف کے معنیٰ میں۔ اس صورت میں کیفیت اور حالت میں عموم کا اظہار ہوتا ہے اور بمعنیٰ من أین ہوتا ہے جو کہ محل میں عموم کا اظہار کرتا ہے۔ یہاں قرائن اور سیاق نص سے پتا چلتا ہے کہ أنی بمعنیٰ کیف استعمال ہوا ہے۔ نہ کہ من این کے مفہوم میں۔ کبھی اشکال لفظ کے مفہوم میں غموض اور پیچیدگی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا﴾ [المائدۃ۵: ۶] (اگر تم حالت جنابت میں ہو تو خوب (نہا کر) پاکی حاصل کرلو)۔

اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر بدن کو دھونا واجب ہے۔ باطن بدن کو دھونا واجب نہیں، لیکن فم یعنی دہن کے بارے میں اشکال پیدا ہوتا ہے کہ وہ ظاہر بدن میں شامل ہے یا باطن بدن میں، احکام شرعیہ میں غوطہ کریں تو ایک لحاظ سے وہ باطن بدن ہے، اس لیے اندرون دہن پیدا ہونے والا لعاب اگر روزہ دار نگل لے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا، اور ایک لحاظ سے ظاہر بدن ہے اس لیے کہ اگر خارج سے کوئی چیز منہ میں رکھ لی ہے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، مثلاً روزہ دار باہر سے پانی لے کر کلی کرتا ہے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اب نص میں غموض و اشکال پیدا ہو گیا کہ فم من وجہ ظاہر بدن میں شامل ہے اور من وجہ باطن میں۔ اب ایک فقیہ طلب و تأمل اور غور و اجتہاد کے ذریعہ قرائن و سیاق کلام اور لغت کے ذریعہ صحیح مفہوم جاننے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ غسل جنابت کی صورت میں فم کو ظاہر بدن شمار کیا گیا ہے۔ لہٰذا غسل فم واجب قرار دیا گیا ہے، اس لیے کہ فَاطَّهَّرُوا میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔ اس پر عمل اس وقت ہوگا جب منہ کو بھی اندر سے دھولیا جائے۔ البتہ وضو کے لیے فم کو باطن بدن میں شامل کیا گیا ہے اسی لیے وضو میں غسل فم واجب نہیں بلکہ مسنون ہے۔

Marfat.com

مشکل کا حکم

مشکل کا حکم یہ ہے کہ اس میں فقیہ کو بہت غور و فکر سے کام لینا چاہیے اور قرائن و دلائل کے ذریعہ اس مفہوم کو جاننے کی کوشش کرنی چاہیے جو اصل مقصد و مراد ہے، پھر غور وفکر اور دلائل کے ذریعہ جو مفہوم متعین ہو جائے اس پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے لفظ کے جس قدر معانی ہو سکتے ہیں انہیں جمع کر لیا جائے۔ یہ طلب نظائر کا مرحلہ ہے۔ پھر ان سب نظائر میں غور و فکر کر کے دلیل کی بنا پر اس معنیٰ کا تعین کیا جائے جو مقصود و مراد ہے۔ اس کے لیے کلام کے سیاق و سباق کو اچھی طرح سمجھنا، قرائن پر غور کرنا اور شواہد سے کام لینا ہوگا۔ حنفیہ نے وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ میں لفظ قُرُوءٍ کے معنیٰ کا تعین دلیل کی بنا پر حیض کیا اور اس پر عمل درآمد کرنے کے لیے فتویٰ دیا۔ اس کے برعکس شافعیہ نے اپنے دلائل پر طہر کے معنیٰ کا تعین کیا اور اس کے مطابق رائے دی۔

۳۔ مجمل

مجمل وہ کلام ہے جس میں متعدد معانی کا احتمال ہو اور لفظ اور صیغہ سے مقصود پر کوئی دلالت نہ پائی جاتی ہو، نہ ہی قرائن اور دلائل ایسے ملتے ہوں جن سے مفہوم کا تعین ہو سکے بلکہ خود متکلم کو مفہوم واضح کرنے کی ضرورت پیش آئے۔

امام سرخسی نے مجمل کی تعریف اس طرح کی ہے کہ مجمل وہ لفظ ہے جس کی مراد و مفہوم کا علم اس وقت تک نہ ہو جب تک متکلم خود اس کی وضاحت نہ کرے۔ متکلم کے اپنے بیان سے اس کی مراد کا پتا چلتا ہے، اس لیے کہ وہاں کوئی قرینہ موجود نہیں ہوتا جو لفظ کے اصل مفہوم کا تعین کر سکے۔

اجمال کا سبب کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ لفظ مشترک ہوتا ہے لیکن ایسے قرائن موجود نہیں ہوتے جن سے معنیٰ مطلوب کا تعین ہو سکے، متکلم خود معنیٰ و مفہوم کی وضاحت کرتا ہے جیسے

Marfat.com

لفظ ﴿الْقَارِعَةُ. مَا الْقَارِعَةُ. وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ﴾ [القارعۃ ۱۰۱: ۱-۳] (کھڑکھڑانے والی، کھڑکھڑانے والی کیا چیز ہے؟ تم کیا جانو کہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟)۔ اس کی وضاحت خود متکلم نے کردی کہ ﴿يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ. وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ﴾ [القارعۃ ۱۰۱: ۴-۵] (یہ وہ دن ہے جب لوگ بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہوں گے اور پہاڑ دھنی ہوئی روئی کے گالوں کی طرح ہو جائیں گے)۔ یعنی القارعۃ سے قیامت کا دن مراد ہے۔ کبھی اجمال کا سبب غرابت لفظ ہوتا ہے، جیسے ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا﴾ [المعارج ۷۰: ۱۹] (بے شک انسان کم حوصلہ پیدا کیا گیا ہے)۔ لفظ ھلوع عربی زبان میں غریب ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے خود اس کی تفسیر اس طرح کردی: ﴿إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا. وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا﴾ [المعارج ۷۰: ۲۰-۲۱] (جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو شور مچاتا ہے اور جب خوش حالی آتی ہے تو بخیل بن جاتا ہے)۔

کبھی اجمال کا سبب یہ ہوتا ہے کہ لفظ کے لغوی معنیٰ کو ترک کرکے اسے اصطلاحی مفہوم میں استعمال کرلیا جاتا ہے جیسے الصلاۃ، الزکاۃ، الحج وغیرہ، شارع کے بیان کے بغیر ان کا مفہوم جاننا ممکن نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت قولی اور سنت عملی سے الصلاۃ کا مفہوم واضح ہوتا ہے۔ نماز کے اوقات، ارکان، شرائط اور طریقہ کا علم سنت سے ہی ہوتا ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا: صلّوا كما رأيتموني أصلي (نماز اس طرح پڑھو جس طرح نماز پڑھتے ہوئے تم مجھے دیکھتے ہو)۔

مجمل کا حکم

مجمل اور مشکل اس اعتبار سے ایک جیسے ہیں کہ دونوں میں معنیٰ کا خفا صیغہ کے اندر پایا جاتا ہے، لیکن ان میں فرق یہ ہے کہ مجمل کا خفا دور کرنے کے لیے متکلم کی طرف سے بیان

Marfat.com

درکار ہوتا ہے جبکہ مشکل کا معنیٰ از خود غور و فکر سے مخاطب سمجھ لیتا ہے۔ مجمل کا حکم یہ ہے کہ اس میں توقف سے کام لیا جائے گا اور جب تک شارع کی جانب سے ایسا بیان نہ آجائے جو اجمال کو ختم کر دے اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ اگر شارع کا بیان تفصیلی اور قطعی ہے تو پھر یہ مجمل مفسر ہو جائے گا جیسے الصلاۃ اور الزکاۃ وغیرہ اور اگر بیان تفصیلی اور قطعی نہ ہو تو یہ مجمل مشکل کہلائے گا۔ اس صورت میں اشکال کو دور کرنے اور مقصود کو جاننے کے لیے غور وفکر کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے کہ شارع کی جانب سے مختصر وضاحت تو ہے جس سے کسی حد تک اجمال کم ہوتا ہے لیکن مکمل اور قطعی وضاحت نہیں ہوتی۔ لہٰذا وہاں اجتہاد اور غور و فکر کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اس کی مثال ﴿وحرّم الرّبا﴾ ہے۔ الربا مجمل ہے اس کے معنیٰ مطلقاً زیادتی کے ہیں جو یہاں مراد نہیں، بلکہ وہ زیادتی مراد ہے جو قدر اور جنس کی فروخت میں عوض سے خالی ہو۔ قرآن کریم میں الربا مجمل ہے۔ سنت نے اس کے اجمال کو کسی حد تک دور کیا ہے۔ حدیث میں چھ چیزوں کا ذکر ہے۔ جن کے لین دین میں سود ہوتا ہے وہ چھ چیزیں یہ ہیں: سونا، چاندی، جو، گندم، کھجور اور نمک۔ لیکن صرف اتنی وضاحت کافی نہیں، ربا صرف ان چھ اشیا میں منحصر نہیں ہے۔ لہٰذا اس مسئلے میں اجتہاد و قیاس کا باب کھلا ہوا ہے۔

۴۔ متشابہ

متشابہ وہ ہے کہ لفظ کی مراد صیغہ سے واضح نہیں ہو اور نہ ہی ایسے قرائن و دلائل موجود ہوں جن سے متکلم کی مراد جانی جا سکے۔ متشابہ دو قسم کے ہیں:

۱۔ **متشابہ اللفظ:** یہ وہ متشابہ ہے جس سے مخاطب کو اصلاً کچھ سمجھ نہیں آتا۔ اس کی مثال قرآن کریم میں حروف مقطعات ہیں۔ الم، حمعسق وغیرہ۔

Marfat.com

دوسری قسم متشابہ الفہم ہے، یہ وہ متشابہ ہیں جن کے اصل معانی تو معلوم ہوتے ہیں لیکن محل استعمال میں ان کا اطلاق ناقابل فہم ہوتا ہے، جیسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہے: ﴿الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ [طہٰ ۲۰: ۵] (خدائے رحمن، جس نے عرش پر قرار پکڑا) یا ﴿يَدُ اللهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ﴾ [الفتح ۴۸: ۱۰] (اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے) وغیرہ۔

اصولیین کی اصطلاح میں متشابہ پر جو بحث ملتی ہے اس کا تعلق علم الکلام سے ہے۔ آیاتِ تشریع یا آیاتِ احکام اور احادیثِ احکام میں متشابہات کا کوئی وجود نہیں۔ علم تفسیر میں آیات محکمات کے مقابلے میں آیات متشابہات موجود ہیں اور علما و مفسرین نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔ فقہا کے دائرہ بحث میں متشابہات نہیں آتیں۔

Marfat.com

فصل چہارم

معانی پر دلالت کی کیفیت کے لحاظ سے لفظ کی اقسام

عبارۃ النص- اشارۃ النص- دلالۃ النص-اقتضاء النص

نصوص یا قانونی اور دستوری عبارت کو سمجھنے اور اس کی تشریح و تعبیر کے لیے فقہانے کچھ اصول مرتب کیے ہیں، ان کی روشنی میں عبارت اور اس کے سیاق و سباق کو سمجھنے اور استدلال کرنے میں مدد ملتی ہے۔ لفظ یا کلام کی حکم کے ثبوت کے اعتبار سے فقہانے چار قسمیں بیان کی ہیں: عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص اور اقتضاء النص۔

عبارۃ النص

وہ کلام ہے جو صراحتا براہِ راست اپنے مفہوم پر دلالت کرے۔ سیاق و سباق سے اصالۃً یا تبعاً جو مفہوم سمجھ میں آرہا ہے وہ عبارت النص کہلاتا ہے۔ اس کی تعریف اس طرح بھی کی جاسکتی ہے کہ لفظ اسی معنیٰ پر اصالۃً یا تبعاً دلالت کرے جس کو بیان کرنے کے لیے عبارت لائی گئی ہے۔ دیگر الفاظ میں عبارۃ النص وہ کلام ہے جو اس بات کو ظاہر کرے کہ متکلم کا اس کلام سے مقصد کیا ہے اور یہ کہ عبارت سے یہ مقصدِ کلام صراحۃ اور قصداً معلوم ہو رہا ہو۔

عبارۃ النص کی مثال

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ [الأنعام ٦: ١٥٢] (اور کسی انسان کو جس کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے قتل نہ کرو)۔ اس آیت مبارکہ میں عبارت اور الفاظ دونوں حرمتِ قتل پر دلالت کر رہے ہیں۔ ﴿وَأَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرۃ ٢: ٢٧٥] (اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کو حلال کیا اور سود کو حرام قرار دیا ہے)۔ اس آیت میں عبارت دو معانی پر دلالت کر رہی ہے:

Marfat.com

۱۔ بیع اور ربا میں مماثلت کی نفی، آیت مبارکہ کی عبارت میں یہی مفہوم اصل مقصود ہے، اس لیے کہ عبارت کو لانے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ بیع اور ربا میں فرق ہے۔

۲۔ دوسرا مفہوم بیع کی حلت اور ربا کی حرمت کا حکم، یہ مفہوم تبعاً ثابت ہو رہا ہے۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ [البقرة۲: ۴۳] اس آیت مبارکہ کی عبارت فرضیت صلاۃ اور فرضیت زکاۃ کو بیان کر رہی ہے، یہی اس عبارت سے بنیادی طور پر مقصود ہے۔

﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً﴾ [النساء۴: ۳] یہ آیت تین احکام پر دلالت کر رہی ہے:

۱۔ نکاح کا جائز و مباح ہونا

۲۔ ازواج کی زیادہ سے زیادہ حد چار ہونا، تعداد یا ازدواج کو چار میں محدود کرنا۔

۳۔ عدم انصاف کا اندیشہ ہو تو پھر ایک پر اکتفا کرنا۔

یہ تینوں معانی عبارت النص اور اس کے الفاظ سے سمجھ میں آتے ہیں اور تینوں ہی سیاق عبارت کا مقصود ہیں، البتہ پہلا مفہوم تبعاً ثابت ہو رہا ہے جبکہ بعد والے دونوں مفہوم اصلاً ثابت ہیں۔ اس لیے کہ ان دونوں مفہوموں کو ظاہر کرنے کے لیے یہ عبارت لائی گئی ہے۔

عبارۃ النص کا حکم

اگر خارجی عوارض نہ ہوں تو عبارۃ النص قطعیت کا فائدہ دیتی ہے، اس کا واضح مفہوم سمجھ میں آتا ہے جس پر عمل کرنا واجب ہے۔ اگر عبارۃ النص عام ہو اور اس میں سے بعض کی تخصیص کر دی جائے تو پھر قطعیت کا فائدہ نہیں دے گی۔

اشارۃ النص

وہ مفہوم جو الفاظ نص سے نہ براہِ راست مقصود ہو نہ تبعاً مقصود ہو بلکہ اصلی مفہوم کے ساتھ ایک اور مفہوم لازمی طور پر سمجھ میں آتا ہے۔ وہ لازمی طور پر سمجھ میں آنے والا مفہوم

Marfat.com

اشارۃ النص کہلاتا ہے۔ اس کی تعریف دیگر الفاظ میں اس طرح ہو سکتی ہے: لفظ کی دلالت ایسے معنیٰ پر ہو جو عبارت اور سیاق کلام سے مقصود نہ ہوں لیکن غیر مقصود مفہوم لازماً عبارت سے مفہوم ہوتا ہو۔ مزید آسان عبارت میں اس طرح سمجھ لیجیے کہ اشارۃ النص وہ مفہوم ہے جو الفاظ وعبارت سے براہِ راست ذہن میں نہیں آتا نہ وہ مفہوم اس عبارت سے مقصود ہوتا ہے بلکہ الفاظ سے اشارتاً سمجھ میں آتا ہے لیکن اس اشارۃ اور عبارۃ النص میں ایک قسم کا تلازم ہوتا ہے۔ کبھی یہ تلازم ظاہر ہوتا ہے اور کبھی مخفی ہوتا ہے۔ مخفی ہونے کی صورت میں دقت نظر اور غور وفکر کی ضرورت ہوتی ہے اور اگر تلازم ظاہر ہو تو ادنیٰ تامل سے بھی بات سمجھ میں آجاتی ہے۔

اشارۃ النص کی مثال

﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [البقرۃ ۲: ۲۳۳] (اس صورت میں بچے کے باپ کو معروف طریقے سے انہیں کھانا، کپڑا دینا ہوگا)۔ اس آیت کی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ دودھ پلانے والی ماؤں کا نفقہ اور لباس بچوں کے والد کے ذمہ ہے لیکن اشارتاً مندرجہ ذیل باتیں بھی سمجھ میں آتی ہیں:

۱۔ باپ کے ساتھ نفقہ میں کوئی اور شریک نہیں، اس لیے کہ ولد کی نسبت باپ کی طرف ہے۔

۲۔ بچے کا نسب باپ سے ثابت ہوتا ہے، اگر باپ فاروقی ہے اور ماں غیر فاروقی تو بچے کا نسب فاروقی ہی ہوگا۔ یہ سب احکام اشارتاً سمجھ میں آرہے ہیں جو اس عبارت کے ترکیبی ڈھانچہ میں موجود ہیں۔

اشارۃ النص کی ایک مثال یہ بھی ہے: ﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللهِ وَرِضْوَانًا﴾ [الحشر ۵۹: ۸] ([مالِ غنیمت میں] ان فقرا مہاجرین کا حصہ بھی ہے جنہیں ان کے گھروں اور اموال سے بے دخل کر دیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا کے طلب گار ہیں)۔

Marfat.com

اس آیت مبارکہ میں مالِ غنیمت کے مستحقین کو بیان کیا جارہا ہے۔ اس کلام سے مقصود یہی ہے لہٰذا مہاجرین کا مستحق مال غنیمت ہونا عبارۃ النص ہے۔ لیکن اشارتاً یہ بات بھی ذہن میں آتی ہے کہ جب مہاجرین کو فقرا کہا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے ان کے اموال جو مکہ میں تھے ان سے ان کی ملکیت ختم ہو چکی، اگر وہ اموال بدستور ان کی ملکیت میں رہتے تو پھر وہ فقرا نہیں کہلا سکتے تھے۔ ان پر لفظ فقرا کا اطلاق تو اسی وقت ہو سکتا ہے جب ان کی ملکیت میں مال نہ ہو گویا ترک وطن اور ہجرت کی وجہ سے ان مہاجرین کا اپنے اموال سے حق ملکیت ختم ہو گیا اور کفار کے تسلط اور اموال پر ان کے قبضہ سے ان مہاجرین کی ملکیت ختم ہو گئی۔ چنانچہ اس اصول کو تسلیم کر لینے پر بہت سے فقہی احکام مرتب ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس مال کو اگر حربی تاجر سے کوئی مسلم تاجر خرید لے تو یہ فروخت جائز ہو گی اور اس پر مسلمان تاجر کا قبضہ جائز تصور ہو گا۔ وہ اصل مالک جو ہجرت کر کے دارالاسلام آگیا تھا وہ اس مال پر اپنا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح یہ آیتِ مبارکہ: ﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ [الانبیاء۲۱: ۷] (اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لو)۔

یہاں عبارت النص سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ نہ جاننے کی صورت میں اہلِ علم سے معلوم کرنا اور مسائل کو پوچھنا واجب ہے۔ لیکن اشارتاً یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ ایسے ادارے قائم کرنا بھی ضروری ہیں جہاں سے اہل علم تیار ہوں تاکہ وہ لوگوں کو مسائل بتا سکیں اور لوگ علمی مسائل میں ان کی طرف رجوع کر سکیں۔ اس آیت مبارکہ سے یہ مفہوم مقصود نہیں لیکن اشارتاً یہ بات سمجھ میں آرہی ہے۔ اسی طرح ﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ [آل عمران۳: ۱۵۹] (آپ ﷺ ان سے درگزر کیجیے، ان کے لیے دعاے مغفرت کیجیے اور معاملات میں ان سے مشورہ کیجیے) میں عبارۃ النص اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ امت کے معاملات باہمی مشورہ سے طے ہونے چاہییں،

Marfat.com

لیکن اشارتاً یہ بات بھی ثابت ہو رہی ہے کہ ایسے اقدامات کرنا بھی ضروری ہیں جن کی وجہ سے صاحبِ رائے اور اہل علم آگے آئیں اور انہیں منظم کر کے شوریٰ کا نظم قائم کیا جاسکے۔ (امت کے ہر ہر فرد سے مشورہ تو ممکن نہیں لہٰذا مشورہ دینے والوں کی کوئی کمیٹی یا ایوان وجود میں لانا ضروری ہے)۔ یہ حکم اشارۃ النص سے ثابت ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں ہے: ﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ [الاحقاف ۴۶: ۱۵] (اس کے حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے)۔ ایک اور آیت میں ہے: ﴿وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ﴾ [لقمان ۳۱: ۱۴] (اور دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہے)۔

پہلی آیت کے مطابق حمل اور رضاعت کی مجموعی مدت تیس ماہ ہے۔ دوسری آیت میں مدت رضاعت دو سال بیان کی گئی ہے۔ ان دونوں آیتوں پر غور کریں تو اشارتاً پتا چلتا ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ تیس ماہ میں دو سال یعنی چوبیس ماہ رضاعت کے نکال دیے جائیں تو باقی چھ ماہ بچتے ہیں۔ اسی بنا پر فقہا اس بات کے قائل ہیں کہ کم از کم مدت حمل چھ ماہ ہے: ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً﴾ [البقرۃ ۲: ۲۳۶] (اگر تم بیویوں کے پاس جانے سے پہلے یا ان کا مہر مقرر کرنے سے قبل طلاق دے دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے)۔

عبارۃ النص کا مفہوم یہ ہے کہ قبل الدخول یا مہر کے تقرر سے قبل طلاق دینا جائز ہے۔ لیکن اسی عبارت سے یہ مفہوم بھی سمجھ میں آتا ہے کہ عقد نکاح مہر کے تعین کے بغیر بھی صحیح ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ طلاق تو اسی وقت دی جاسکتی ہے جب نکاح منعقد ہو جائے۔ یہ مسئلہ نص سے اشارتاً معلوم ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے: أغنوهم عن المسألة في مثل هذا اليوم (آج ایسے [خوشی کے] دن انہیں مانگنے سے بے نیاز کر دو)۔ آپ ﷺ نے صدقہ فطر کی ادائگی

Marfat.com

کے بارے میں فرمایا کہ صدقہ فطر عید کے روز فقیر کو ادا کر دیا جائے۔ یہ عبارۃ النص ہے کہ صدقہ فطر عید کے روز فقیر کو ادا کرنا واجب ہے۔ لیکن اس عبارت سے اشارتاً مندرجہ ذیل احکام بھی ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ صدقہ فطر غنی (دولت مند) پر واجب ہے۔ اس لیے کہ غنی ہی دوسرے کو مستغنی کر سکتا ہے۔

۲۔ صدقہ فطر صرف محتاج کو دیا جا سکتا ہے تا کہ اس کا مستغنی ہونا ثابت ہو سکے، غنی کو نہیں دیا جا سکتا۔

۳۔ مطلقاً مال کی ادائگی سے واجب ادا ہو جاتا ہے، اس لیے کہ اصل چیز یہ ہے کہ محتاج کو مانگنے سے بے نیاز کر دیا جائے اور یہ مقصد نقد رقم دینے سے بھی حاصل ہوتا ہے اور اجناس وغیرہ سے بھی حاصل ہو سکتا ہے، لہٰذا دونوں صورتیں جائز ہیں۔

اشارۃ النص کی دلالت کبھی بہت دقیق ہوتی ہے اور اس تک نظر صرف ان فقہا کی پہنچتی ہے جو علم فقہ میں مہارت رکھتے ہیں اور استدلال و استنباط کے طرق سے واقف ہوتے ہیں۔ البتہ عبارۃ النص سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ اس قدر واضح ہوتی ہے کہ غیر فقیہ بھی اسے سمجھ جاتا ہے۔

اشارۃ النص کا حکم

سرخسی اور صاحب کشف الاسرار کا خیال ہے کہ اشارۃ النص کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جس میں اشارہ ظاہر یا واضح ہوتا ہے۔ اس صورت میں اس سے علم قطعی حاصل ہوتا ہے، لہٰذا اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ دوسری قسم وہ ہے کہ اس میں اشارہ بہت دقیق ہوتا ہے، یہ اس صورت میں بھی ہوتا ہے جب کلام مشترک ہو اور اس میں حقیقی اور مجازی دونوں معانی کا احتمال ہو، اس صورت میں علم واجب حاصل نہیں ہوتا۔

Marfat.com

ابن نجیم کا خیال ہے کہ عبارۃ النص اور اشارۃ النص دونوں کی دلالت کبھی قطعی ہوتی ہے، کبھی ظنی ہوتی ہے، کبھی ایک کی قطعی دوسری کی ظنی، اس لیے اس قسم کی عبارت میں احتیاط اور غور و تأمل کی ضرورت ہوتی ہے۔

دلالۃ النص

اصول فقہ کی بعض کتب میں دلالۃ النص کی تعریف عام طور پر ان الفاظ میں کی گئی ہے:

وهى دلالة اللفظ على ثبوت حكم المنطوق به للمسكوت عنه، لاشتراكهما في العلة التي يمكن فهمها عن طريق اللغة من غير حاجةٍ إلى الاجتهاد الشرعي، وهذا هو الفرق بين دلالة النص والقياس، فإن العلة في دلالة النص تُفهم لغةً وفي القياس تُفهم اجتهاداً.

دلالۃ النص یہ ہے کہ منطوق بہ کا حکم مسکوت عنہ کے لیے بھی ثابت ہو اس لیے کہ دونوں حکم کی علت میں شریک ہیں اور دلالۃ النص کے حکم کی علت سمجھنے کے لیے کسی اجتہاد و قیاس کی ضرورت پیش نہیں آتی بلکہ عام فرد جو لغت سے واقف ہو وہ بھی اس علت کو سمجھ سکتا ہے جبکہ قیاس میں علت اجتہاد سے سمجھ آتی ہے۔

آسان عبارت میں اس طرح سمجھ لیجیے کہ دلالۃ النص وہ کلام ہے جس کے ذریعہ حکم منصوص علیہ کی علت معلوم ہو اور اس علت کا علم لغت سے ہوتا ہو، اس کو جاننے کے لیے اجتہاد و قیاس یا غور و فکر کی ضرورت پیش نہ آئے۔ بعض فقہا اسے دلالۃ الدلالۃ یا فحوی الخطاب بھی کہتے ہیں۔ فقہائے شافعیہ اسے مفہوم الموافقۃ کہتے ہیں اس لیے کہ منطوق بہ کا حکم مسکوت عنہ کے لیے ثابت ہے۔ اس لیے کہ منصوص علیہ کے حکم کی جو علت تھی وہی علت مسکوت عنہ کے حکم کے لیے ثابت ہے اور علت محض لغت کو جاننے سے سمجھ میں آجاتی ہے اس کے

Marfat.com

لیے کسی استدلال اور غور و فکر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مثلاً: ﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا﴾ [الاسراء ۱۷: ۲۳] (والدین کو اُف تک نہ کہو، نہ انہیں سخت بات کہو)۔

اس آیت میں عبارۃ النص سے تو یہ بات ثابت ہے کہ بچے اپنے والدین کے سامنے اُف تک نہ بولیں۔ زبان و لغت کو سمجھنے والا اس کی علت کو بھی سمجھ لیتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس سے والدین کو ایذا اور تکلیف پہنچتی ہے اور والدین کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔ لہٰذا مسکوت عنہ جس میں یہ علت پائی جائے گی وہ بھی ممنوع ہوگا، مثلاً والدین کو گالی دینا، مارنا، برا بھلا کہنا وغیرہ۔ اس لیے کہ ان صورتوں میں بھی انہیں ایذا پہنچے گی۔ جب اُف کہنا حرام ہے تو وہ تمام چیزیں بھی حرام ہوں گی جو اف سے زیادہ تکلیف و ایذا کا باعث ہوں۔ لہٰذا ضرب و شتم، حبس یا والدین سے مزدوری لینا وغیرہ سب حرام ہیں۔ اسی طرح سورۃ النساء کی آیت مبارکہ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا﴾ [النساء ۴: ۱۰] (یقیناً جو لوگ یتیموں کا مال بطور ظلم کھا جاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں)۔

عبارۃ النص کا مفہوم یہ ہے کہ یتیموں کا مال بطور ظلم کھا جانا حرام ہے۔ لیکن دلالۃً یہ بات بھی سمجھ میں آرہی ہے کہ یتیموں کے اموال کو کسی اور طریقہ سے ضائع کر دینا بھی ناجائز ہے۔ مثلاً ان کے مال کو جلا دینا یا کسی اور طریقے سے ضائع کر دینا وغیرہ۔ اصل روح یہ ہے کہ یتیم کے مال کی پوری طرح حفاظت کی جائے، اسے منافع بخش بنایا جائے۔ لہٰذا ہر وہ عمل ممنوع قرار پائے گا جس کے نتیجہ میں یتیم کا مال ضائع ہو جائے چنانچہ یتیموں کے مال کو ہڑپ کرنا بطور ظلم اڑانا حرام ہے۔ یہ بات اس آیت میں منطوق بہ اور مسکوت عنہ دونوں کی علت ایک جیسی ہے، لہٰذا مسکوت عنہ بھی منطوق بہ کے حکم میں شامل ہوگا۔

﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾ [البقرۃ ۲: ۲۲۸] اس آیت مبارکہ میں عبارت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ مطلقہ خاتون پر عدت گزارنا ضروری

Marfat.com

ہے، تاکہ تطہیر رحم کو یقینی بنایا جاسکے۔ عدت گزارنے کا مقصد براءت رحم ہے اور یہ زبان و لغت سے معلوم ہوتا ہے یا دیگر الفاظ میں عدت گزارنے کی اصل علت براءت رحم ہے اور اس علت کا پتا محض لغت وزبان سے ہوتا ہے۔ یہی علت مسکوت عنہ میں بھی موجود ہے۔ یعنی اگر نکاح طلاق کے علاوہ کسی اور وجہ سے فسخ ہو گیا ہے تو اس صورت میں بھی عدت گزارنا ہوگی، اس لیے کہ براءت رحم اس وقت بھی ضروری ہے۔ مثلاً عدالت نے نکاح فسخ کر دیا یا یہ کہ شوہر مرتد ہو گیا تو بھی نکاح ختم ہو جائے گا۔ ان تمام صورتوں میں منطوق اور مسکوت عنہ میں علت مساوی ہے۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ [الجمعة ۶۲: ۹]

(اے ایمان والو جب نماز جمعہ کے لیے اذان ہو جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے (مساجد کی طرف) روانہ ہو جاؤ اور کاروبار چھوڑ دو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے بشرطیکہ تم سمجھو)۔

اس آیت میں دلالت النص سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حرمت بیع کا اصل مقصود نماز جمعہ کے لیے تیاری (سعی) کرنا ہے۔ لہٰذا ہر وہ چیز جو نماز جمعہ کی تیاری میں رکاوٹ بنے گی وہ ناجائز ہوگی۔ چنانچہ خرید و فروخت، کاروبار کے علاوہ کوئی اور عمل جو اہتمام جمعہ میں رکاوٹ بنے گا وہ بھی ممنوع قرار پائے گا۔ اس لیے کہ اصل مقصود نماز جمعہ کا اہتمام اور اس کی تیاری ہے۔ لہٰذا نماز جمعہ کے اہتمام و ادائگی میں تمام موانع اور رکاوٹوں کو دور کرنا ضروری ہے: اگر یہ علت ختم ہو جائے یعنی بیع و شراء نماز جمعہ کی تیاری اور اس کے اہتمام میں رکاوٹ نہ بنیں تو پھر بیع و شراء ممنوع نہیں ہوں گے۔ مثلاً اگر کچھ لوگ کار، بس یا ٹرین میں نماز جمعہ کی ادائگی کے لیے جا رہے ہوں اور اس چلتی ہوئی بس وغیرہ میں بیٹھے ہوئے باہم کوئی عقد یا خریداری کر لیں تو کوئی حرج نہیں۔ یا اگر ایک جزیرہ کے لوگ جہاں کوئی جامع مسجد نہیں ہے اور وہ کشتی یا چھوٹے جہاز کے ذریعہ دوسرے جزیرہ جاتے ہیں جہاں جامع مسجد موجود ہے تاکہ وہاں نماز

Marfat.com

جمعہ ادا کریں اور راستہ میں چلتی ہوئی کشتی میں انہوں نے کوئی عقد بیع وغیرہ کر لیا ہے تو یہ بھی اہتمام نماز میں رکاوٹ نہیں بن رہا ہے لہٰذا یہ عقد بھی ناجائز نہیں ہو گا۔

دلالۃ النص اور قیاس میں فرق یہ ہے کہ قیاس میں علت کا پتا غور و فکر اور اجتہاد سے چلتا ہے جبکہ دلالۃ النص میں محض فہم لغت کی وجہ سے علت کا پتا چل جاتا ہے۔ بعض فقہا دلالۃ النص کو قیاس جلی بھی کہتے ہیں۔ اس کا نام مفہوم الموافقۃ یا فحوی الخطاب بھی ہے (یعنی روح خطاب، یا خطاب سے جس بات کی طرف فوراً ذہن منتقل ہوتا ہے)۔

دلالۃ النص کا حکم

دلالۃ النص کا حکم یہ ہے کہ اس سے صرف منصوص علیہ ہی مراد نہیں ہوتا بلکہ جہاں جہاں اس علت کا وجود ہو گا وہ بھی منصوص علیہ کے حکم کی طرح ہو گا۔ دلالۃ النص کا حکم چونکہ قطعی ہوتا ہے اس لیے وہ بمنزلہ عبارۃ النص کے ہے، دونوں کے ذریعہ اثباتِ حکم ہو سکتا ہے۔ لہٰذا جس طرح عبارۃ النص سے حکم عقوبات ثابت ہوتا ہے اسی طرح دلالۃ النص سے بھی عقوبات کا حکم ثابت ہوتا ہے۔

دلالۃ النص میں حکم کا دارومدار علت پر ہوتا ہے۔ اگر علت موجود ہو گی تو حکم بھی موجود ہو گا اور اگر علت موجود نہیں ہو گی تو حکم بھی موجود نہیں ہو گا۔ مثلاً اگر کسی علاقہ یا خطہ میں لفظ اف اکتاہٹ اور عدم احترام کے اظہار کے لیے نہ ہو بلکہ عزت و احترام کے لیے استعمال ہوتا ہو تو وہاں اف کہنا ناجائز یا ممنوع نہیں ہو گا بلکہ اظہار احترام کے لیے اس کے استعمال کی اجازت ہو گی۔

اقتضاء النص

اقتضاء النص وہ کلام یا عبارت ہے جس میں عقلاً یا شرعاً کسی محذوف کا پتا چلتا ہے۔ یا یہ کہ کلام کا صحیح ہونا اس بات پر موقوف ہو کہ وہاں کوئی عبارت محذوف مانی جائے کہ اس کے بغیر کلام صحیح نہیں ہوتا ہو۔ گویا عبارت کا مقتضیٰ ہے کہ وہاں کوئی لفظ محذوف مانا جائے جس کے

Marfat.com

بغیر عبارت درست نہیں ہو سکتی۔ یہ محذوف کلام سے خارج نہیں ہوتا بلکہ اس کو شامل ہوتا ہے اور مفہوم کی وضاحت میں کلام اس محذوف کا محتاج ہوتا ہے۔ اقتضاء النص کی مثال یہ ہے: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ﴾ [النساء۴: ۲۳] (تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں حرام کر دی گئی ہیں)۔

اس عبارت کا اقتضا یہ ہے کہ یہاں زواج یا نکاح کا لفظ محذوف مانا جائے یعنی زواجِ امہات (ماؤں سے نکاح) کرنا حرام ہے۔ اسی طرح ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ﴾ [النساء۴: ۲۳] الخ یعنی حرمت عليكم أكل الميتة والدم یا واسأل القرية، یعنی أهل القرية۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے: رفع عن امتي الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه (میری امت سے خطا، بھول چوک اور جن کاموں کے کرنے پر مجبور کیا گیا ہے، ختم کر دیا گیا ہے)۔ اب جو عمل بطور خطا سرزد ہو گیا ہے اس کے وجود سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا، یا بھول کر کوئی عمل کر لیا گیا ہو، یا کوئی کام جبراً کرالیا گیا ہے تو یہ سب اعمال وجود میں آتے ہیں ان کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس عبارت کا مفہوم اس وقت صحیح ہو گا جب یہاں اثم کو محذوف مانا جائے تب اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ میری امت سے خطا، بھول چوک اور جبر و اکراہ کا گناہ معاف کر دیا گیا ہے۔ اس صورت میں عبارت اس طرح ہو گی: رفع عن أمتي إثم الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه. * اس لفظ محذوف کے بغیر تو مطلب یہ ہو گا کہ وہ عمل جو بطور خطا صادر ہو گیا ہو یا نسیاناً واقع ہوا ہو یا اکراہاً واقع ہوا ہو، سرے سے اس عمل کے وجود کا انکار کیا جائے یا یہ کہ اس کا وجود ہی نہیں ہوا، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس

* طبرانی، المعجم الکبیر، حدیث ۱۱۲۷۴

Marfat.com

قسم کے افعال صادر ہوتے ہیں۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ان تینوں صورتوں میں وہ گناہ گار نہیں ہو گا۔

فقہ میں اس کی مثال یہ ہے کہ ایک فرد نے دوسرے شخص سے جو ایک بکری کا مالک تھا یہ کہا: تصدّق بها على الفقراء عني بمائة دنانير یعنی یہ بکری تم ایک سو دینار کے بدلے میری جانب سے فقراء پر صدقہ کر دو۔ اب اگر اس شخص نے ایسا کر دیا تو اس صورت میں اقتضاء شراء ثابت ہو گی۔ گویا اس نے بکری سو دینار میں خرید لی۔ پھر وہ مالک کی جانب سے صدقہ کرنے کے لیے وکیل ہوا۔ اس لیے کہ جب تک ملکیت ثابت نہیں ہو گی اس وقت تک اس کام کے لیے یعنی صدقہ کرنے کے لیے وکیل بنایا جا سکتا۔ اسے ایک سو دینار کے عوض بکری کی ملکیت حاصل ہو گی، پھر وہ فرد اس کی جانب سے وکیل قرار پائے گا اور بحیثیت وکیل اس کا یہ عمل کہ فقراء پر بکری کا گوشت صدقہ کر دے جائز ہو گا۔ اس ساری عبارت کا مفہوم یہ ہو گا: بع هذا بمائة دينار وكن وكيلي وتصدّق بها مني على الفقراء۔

اپنی جانب سے صدقہ کرانے والا صدقہ نہیں کر سکتا جب تک وہ اس بکری کا مالک نہ بن جائے اور اسے مالکانہ حقوق اس وقت حاصل ہوں گے جب وہ اسے خرید لے گا پھر اس نے خرید لیا تو وہ اس کا مالک ہو گیا۔ اب دوسرا فرد اس کے مال میں از خود تصرف نہیں کر سکتا جب تک یہ مالک اسے بحیثیت وکیل تصرف کا اختیار نہیں دیتا۔ اس صورت میں اقتضاء یہ شرط مقدم پائی جاتی ہے کہ مالک پہلے اپنی بکری ہزار دینار یا روپیہ میں اس شخص کو فروخت کر دے اور اس کے بعد بحیثیت وکیل اس کی جانب سے قربانی کر کے صدقہ کرے؛ اس قسم کی صورتوں میں شریعت ایسے محذوف یا مسکوت کو اقتضاء قبول کرتی ہے جن کا مان لینا لازمی ہوتا ہے البتہ قابل حذف شرائط کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ مندرجہ بالا مثال میں بکری کے مالک کو باضابطہ فروخت کے لیے ایجاب کرنا اور صدقہ کرنے والے کے لیے اس ایجاب کو قبول کرنا

Marfat.com

لازمی نہیں، بس یہ کافی ہے کہ بکری کے مالک کو اس کی قیمت مل جائے، ہاں اگر وہ شخص بکری کے مالک سے یہ کہتا ہے کہ تصدقها مني على الفقراء کہ اس بکری کو میری جانب سے فقرا پر صدقہ کر دو، اور کہنے والے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس بکری کو مجھے ہبہ کر دو اور پھر میری جانب سے اسے فقرا پر صدقہ کر دو تو اس صورت میں ہبہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے قبضہ منتقل کرے، قبضہ ہبہ کے لیے لازمی شرط ہے۔ لہٰذا اگر وہ بکری پہلے اس کے قبضہ میں دے دے اور وہ بکری اس کے حوالے کر کے پھر اسے صدقہ کرنے کے لیے وکیل بنائے تو پھر یہ عمل درست ہو گا۔

اقتضاء النص کی تین صورتیں علمائے اصول نے بیان کی ہیں:

۱۔ ما توقّف عليه صدق الكلام. ایک صورت یہ ہے کہ جس پر کلام کا سچ ہونا موقوف ہو۔ اس کی مثال حدیث نبوی ہے: رُفع عن أمتي الخطأ والنسيان...[۱]

۲۔ ما توقف عليه صحة الكلام عقلاً۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس پر عقلاً کلام کا صحیح ہونا موقوف ہو جیسے: ﴿وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا﴾ [یوسف ۱۲: ۸۲]

۳۔ ما توقف عليه صحة الكلام شرعا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ شرعاً کلام کی صحت اس پر موقوف ہو، جیسے: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ﴾ [النساء ۴: ۲۳]

اقتضاء النص کی مزید چند مثالیں

﴿فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ﴾ [العلق ۹۶: ۱۷] (اسے چاہیے کہ اپنی مجلس کو پکارے)۔ یہاں ارکان مجلس مراد ہیں عبارت اس طرح ہو گی فليدع أركان ناديه یا مثلاً ﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ﴾ [البقرة ۲: ۱۷۸] (ہاں اگر

۱۔ ایضا

Marfat.com

بھائی کی جانب سے قصاص معاف کر دیا جائے اور باہم تصفیہ ہو جائے (خون بہا دینے پر) تو پھر دیت کا مطالبہ کرنے والے کے لیے لازم ہے کہ معروف طریقہ پر اپنے حق کا مطالبہ کرے اور قاتل کے لیے لازم ہے کہ وہ اچھے طریقہ سے مقتول کے ورثا کو (مال) ادا کر دے۔

- یہاں اداء الیہ سے مراد اداء الدیة یا اداء المال ہے، یہاں عبارت کا مقتضٰی یہ ہے کہ الدیہ یا المال محذوف مانا جائے۔

حکم کے ثبوت میں عبارۃ النص کو اشارۃ النص کے حکم پر ترجیح حاصل ہو گی۔ اشارۃ النص کا حکم دلالۃ النص کے حکم پر راجح ہو گا اور دلالۃ النص کا حکم اقتضاء النص کے حکم کے مقابلے میں زیادہ قوی ہو گا۔

عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص اور اقتضاء النص کے درمیان درجوں اور مرتبوں کا یہ فرق تعارض اور ٹکراؤ کی صورت میں ہے۔ یعنی اگر کسی آیت سے عبارۃ النص کے ذریعہ ثابت حکم اور اشارۃ النص یا دلالۃ النص یا اقتضاء النص کے ذریعہ ثابت حکموں میں ٹکراؤ اور تعارض ہو تو عبارۃ النص کے ذریعہ ثابت حکم پر عمل ہو گا، وعلی هذا القیاس.

یہ وہ ضروری اور بنیادی اصول ہیں جنہیں اس مختصر رسالہ میں مثالوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جن کے بغیر قرآن کریم اور احادیث نبوی کی صحیح تعبیر و تشریح ممکن نہیں اور نہ ہی ایسے بنیادی اصولوں کو سمجھے بغیر قرآن و سنت سے صحیح طور پر استدلال و استنباط کیا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا فہم عطا فرمائے اور قرآن و سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللهم انفعنا بما علّمتنا، وعلّمنا ما ينفعنا، وزِدنا علماً.

Marfat.com

Marfat.com

اکیڈمی کی چند دیگر مطبوعات

شریعہ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

Marfat.com